تنظیم اسلامی کا ترجمان

05

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

22 تا 28 جمادی الاوّل 1440ھ / 29 جنوری تا 4 فروری 2019ء

فطرت کا انتقام

انسان نے اللہ کو چھوڑ کر سینکڑوں الٰہ بنائے۔ اس نے دولت کو معبود بنایا، ہوائے نفس کو خدا سمجھا، مادہ کو الٰہ بنایا، اس نے اپنے قانون سازوں کو الٰہ بنایا جنہوں نے اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ بنا لیا۔ انسان نے ان تمام دیوتاؤں کی پرستش کی، تا کہ وہ اللہ سے اور اللہ کی عبادت سے بھاگ سکے!

انسان کو اپنی تمام حرکات کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور یہ ناگزیر تھا کہ ’’فطرت کا انتقام‘‘ اس پر ٹوٹ پڑے اور انسان کو ندائے فطرت کی مخالفت پر رسوا کن اور تباہ کن تاوان دینے پر مجبور کر دے۔ انسانیت نے فطرت کی خلاف ورزی پر اپنی زندگی کے ہر پہلو پر تاوان دیا اور جو قومیں مادی ترقی کے بام عروج تک پہنچ چکی ہیں، ان کے لئے نسلی کمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ انسانی خصوصیات میں کمی انہیں بربریت کی طرف لے جا رہی ہے اور عقلی معیار میں کمی اس سائنس کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہے، جس پر تہذیب جدید کی بنیاد ہے، اور جو بالآخر اس تہذیب کے زوال کا سبب بن جائے گی۔

انسان کی حیوانیت، مادیت اور سلبیت پر اصرار اور اس کی شہوتوں اور خواہشوں کے بے قید چھوڑ دینے کے نتائج اباحیت، لاپروائی اور سلبیت کے نتیجہ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ انسان آمریتوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اس پر رضامند ہو گیا ہے کہ جانوروں کے گلے کی طرح زندگی گزارے اور سوائے جنسی ملاپ اور کھانے پینے کے کوئی مقصد نہ ہو۔ جس کے نتیجہ میں آج ہر طرف بے راہ روی، قلق و پریشانی، حیرت و اضطراب اور عدم سکون اور لوگوں کے اعصاب پر ناقابل برداشت دباؤ ہے، جس سے لوگ مر جاتے اور ان کے دماغ کی رگیں پھٹ جاتی ہیں، وہ پاگل اور مجنوں ہو جاتے ہیں، جیسے انہیں جن بھوت لپٹ گئے ہوں، حالانکہ یہ سب کچھ کیا دھرا ان کا اپنا ہے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تنبیہ گوش دل سے نہ سننے کا نتیجہ ہے۔

’’اللہ کی نعمت پانے کے بعد جو قوم اسے شقاوت سے بدلتی ہے اسے اللہ کیسی سزا دیتا ہے۔‘‘ (البقرہ: 108)

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

اداریہ: جب محافظ ہی قاتل بن جائیں!

سسرالی رشتوں سے حسن سلوک

چین کے یغور مسلمانوں پر ظلم

تیرگی ہے چارسو تو کیا ہوا

میری پہچان اسلامی پاکستان

خاندانی منصوبہ بندی

الہدیٰ (838)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اعلیٰ درجہ کے صالح: ابراہیم، لوط، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام

سُورۃُ الْاَنْبِیَاء | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | آیات: 72 تا 75

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ۙ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ؒ

آیت ۷۲ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ﴾ ’’اور ہم نے اس کو اسحاقؑ عطا فرمایا اور یعقوبؑ اس پر مزید۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا۔

﴿وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝۷۲﴾ ’’اور ان سب کو ہم نے صالح بنایا۔‘‘

آیت ۷۳ ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ ’’اور ہم نے انہیں امام بنادیا‘ جو ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم سے‘‘

یعنی لوگوں کی راہنمائی اور راہبری کرتے تھے۔

﴿وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ﴾ ’’اور ہم نے انؑ کی طرف وحی کی نیک کام کرنے‘ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی۔‘‘

﴿وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۳﴾ ’’اور وہ سب کے سب ہماری بندگی کرنے والے تھے۔‘‘

یہاں آپ کو کچھ انبیاء کا تذکرہ اور ان کے اوصاف پر مشتمل آیات کا گلدستہ دیکھنے کو ملے گا۔ اس ضمن میں یہ بھی مدنظر رہے کہ اس سورۃ میں تمام انبیاء کا ذکر انباء الرسل کی بجائے قصص النبیین کے انداز میں ہوا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ’’اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا‘‘

حکم سے حکمت‘ فہم اور قوتِ فیصلہ مراد ہے۔

﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ﴾ ’’اور ہم نے اسے نجات دی اس بستی سے جو گندے کام کرتی تھی۔‘‘

یعنی اس بستی کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝۷۴﴾ ’’یقیناً وہ نہایت برے اور نافرمان لوگوں کی قوم تھی۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵﴾ ’’اور لوطؑ کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ (ہمارے) صالح بندوں میں سے تھا۔‘‘

فرمان نبویؐ

مصیبت زدہ کے ساتھ اظہار ہمدردی

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ)) (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔‘‘

تشریح: موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت اور ترغیب دیتے تھے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

22 تا 28 جمادی الاوّل 1440ھ جلد 28
29 جنوری تا 4 فروری 2019ء شمارہ 05

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چونگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک 600 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادار یہ

سانحۂ ساہیوال: جب محافظ ہی قاتل بن جائیں!

اہل پاکستان اس طرح کی خبریں سننے کے تو عادی ہو چکے تھے کہ فلاں شہر میں فلاں مقام پر دہشت گرد حملہ ہوا جس میں اتنے بے گناہ شہری مارے گئے جن میں اتنی عورتیں اور اتنے بچے بھی شامل تھے۔ تب اس ملک کا ہر پُرامن شہری یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ دہشت گرد کتنے سفاک اور شقی القلب ہیں کہ معصوم شہریوں حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ پورا ملکی میڈیا، حکمران، سیاسی و دینی جماعتیں، سماجی تنظیمیں، انسانی حقوق کے ادارے ان دہشت گردوں پر لعن طعن کرتے، دہشت گردی کے اس واقعہ کی بھرپور انداز میں مذمت کی جاتی، حکمرانوں کی طرف سے دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور عوام کے تحفظ کو یقینی بنانے کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے۔ لیکن عوام کے لیے یہ وعدے وعید اور مذمتی قرار دادیں کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ ان کا صرف ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا کہ شہریوں کی جان و مال کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری اور سکیورٹی اداروں کا فرض ہے۔ سکیورٹی اہلکاروں کو تنخواہیں اور مراعات اسی لیے دی جاتی ہیں کہ وہ عوام کی جان و مال کی حفاظت کو یقینی بنائیں اور اس کے لیے ہر شہری باقاعدہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ گویا عوام کے جان و مال کے تحفظ کے لیے آخری اُمید یہ سکیورٹی ادارے تھے۔ مگر سانحہ ساہیوال نے عوام سے اُن کے جان و مال کی حفاظت کی آخری اُمید بھی چھین لی۔

اس المناک سانحہ کے بعد ملک کا ہر شہری احساس عدم تحفظ کا شکار ہو چکا ہے۔ ہر کوئی سوچ رہا ہے کہ جن کو شہریوں نے پلے سے ٹیکس دے کر اپنا محافظ بنایا ہے وہی ان کے جان و مال کے لیے خطرے کی علامت بن جائیں، جب محافظ ہی قاتل بن جائیں تو پھر شہریوں کی حفاظت کون کرے گا؟ 19 جنوری 2019ء کی صبح کو لاہور میں رہائش پذیر تاجر خلیل احمد اپنی ہنستی بستی فیملی کے ہمراہ اپنے رشتہ دار کی شادی میں بوریوالہ جانے کی تیاری کرتے ہوئے یہی سوچ رہا ہو گا کہ میں اس ملک کا باعزت شہری ہوں، جو حکومت کو باقاعدہ ٹیکس ادا کرتا ہوں اور ایک باعزت اور پُرامن شہری کی طرح میری اور میری فیملی کے جان و مال کی حفاظت بھی ریاست اور اس کے اداروں کی ذمہ داری ہے۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ دوپہر تک اسے، اس کی بیگم اور ایک بیٹی کو جان سے مارنے کے بعد اس کے اکلوتے بیٹے اور دو چھوٹی چھوٹی پھول جیسی بچیوں کو زخمی حالت میں سڑک پر بے سہارا و بے آسرا پھینک دیا جائے گا۔ اور یہ سب کچھ کرنے والے کوئی دہشت گرد نہیں ہوں گے بلکہ ان کی حفاظت کے ذمہ دار، ریاست کے وہ سپاہی ہوں گے جو ریاست سے تنخواہ ہی ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے لیتے ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ مارنے کے بعد ان

کو دہشت گرد بھی قرار دے دیا جائے گا۔

واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ 19 جنوری کی دوپہر کو جی ٹی روڈ پر سی ٹی ڈی اہلکاروں نے پولیس وین آگے لگا کر ایک پرائیویٹ گاڑی کو روکا اور پھر بغیر کسی چیکنگ کے اس پر گولیاں برسائیں جس سے ساہیوال کا شہری خلیل احمد، اس کی بیگم اور ایک 13 سالہ بیٹی اور ان کا ڈرائیور ذیشان موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے جبکہ 7 سالہ اکلوتا بیٹا اور 2 چھوٹی بچیاں زخمی ہو گئیں۔ سی ٹی ڈی اہلکاروں نے اس کے بعد زخمی بچوں کو گاڑی سے نکالا اور ایک پٹرول پمپ پر بے یارو مددگار اس حالت میں چھوڑ کر چلے گئے کہ ان میں سے دو بچے زخمی تھے۔ خاص طور پر اکلوتے بیٹے کی ٹانگ سے خون جاری تھا جس سے گولی آر پار ہوئی تھی۔ اچانک اتنی بڑی افتاد پڑنے سے یہ معصوم بچے سہمے ہوئے اور حواس باختہ تھے۔ یہاں تک کہ بول بھی نہ سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد معاملہ کی حساسیت کا اندازہ ہونے پر یہ اہلکار دوبارہ آئے اور زخمی بچوں کو ہسپتال لے گئے۔ مقتول خلیل کی والدہ یہ ہولناک خبر سنتے ہی سانسیں لینا بھول گئی اور اس طرح محافظوں کے ہاتھوں ایک پورا خاندان اُجڑ گیا۔

واقعہ کے فوری بعد پولیس ترجمان کی طرف سے جو بیان جاری کیا گیا اس میں کہا گیا کہ سی ٹی ڈی ٹیم نے ایک کار اور موٹر سائیکل کو روکنے کی کوشش کی، جس پر کار سواروں نے سی ٹی ڈی اور حساس ادارے کی ٹیم پر فائرنگ شروع کر دی۔ جوابی فائرنگ میں، دو خواتین سمیت چار دہشت گرد ہلاک ہو گئے، جبکہ تین دہشت گرد موقع سے فرار ہو گئے۔ سی ٹی ڈی کے مطابق مارے گئے افراد پنجاب میں داعش کے سب سے خطرناک دہشت گردوں میں شامل تھے اور یہی دہشت گرد امریکی شہری وارن وائن اسٹائن اور سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے بیٹے کے اغوا میں بھی ملوث تھے۔ جبکہ انسپکٹر جنرل پولیس کو جو رپورٹ پیش کی گئی اس میں کہا گیا کہ سی ٹی ڈی نے حساس ادارے کی جانب سے ملنے والی موثر اطلاع پر کارروائی کی جس کے نتیجے میں دہشت گرد تنظیم داعش سے منسلک چار دہشت گرد ہلاک ہو گئے۔ جبکہ تین بچوں کو بازیاب کرا لیا گیا۔ آئی جی پنجاب کو پیش کی جانے والی رپورٹ کے مطابق، دہشت گرد چیکنگ سے بچنے کے لیے فیملی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

ان افسانوی رپورٹوں کے سہارے سی ٹی ڈی اس واقعہ کو بھی دہشت گردوں کے خلاف بڑی کامیابی قرار دے کر اپنی اس سنگین غلطی پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی اگر سوشل میڈیا کے ذریعے واقعہ کی سچائی دنیا کے سامنے نہ آتی۔ سوشل میڈیا پر عینی شاہدین اور زخمی بچوں کے بیانات نے جب سی ٹی ڈی کا پول کھول کر رکھ دیا اور لوگ سڑکوں پر نکل آئے تو وزیر اعظم پاکستان عمران خان نے واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے وزیر اعلیٰ پنجاب سے رپورٹ طلب کر لی۔ جس کے فوراً بعد جے آئی ٹی تشکیل دی گئی۔ زخمی بچوں نے بتایا کہ وہ اپنے امی ابو کے ہمراہ بوریوالہ میں ایک رشتہ دار کی شادی میں جا رہے تھے کہ پولیس نے گاڑی روک کر ان پر اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ اس کے اگلے دن ہی جے آئی ٹی کی ابتدائی رپورٹ بھی آ گئی جس کے مطابق متاثرہ خاندان بے گناہ تھا۔ تاہم جے آئی ٹی نے ڈرائیور ذیشان کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ بعدازاں ذیشان کو دہشت گرد ڈکلیئر بھی کر دیا گیا۔

اس سارے واقعے کی تفصیلات کو ذہن میں رکھیں تو چند سنگین نوعیت کے سوالات اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔

1۔ اگر تاجر خلیل اور اس کا خاندان بے گناہ تھا تو پھر کس بناء پر ان کا خون بہایا گیا؟

2۔ حساس ادارے کی اطلاع اگر غلط یا نامکمل تھی تو کیا ہر ایسی مبہم اطلاع پر بے گناہوں کا خون بہانے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

3۔ ذیشان اگر حساس اداروں کی نگاہ میں دہشت گرد ڈکلیئرڈ تھا تو پھر گورنر پنجاب کس حیثیت سے اس کے گھر تعزیت کے لیے گئے؟ گورنر پنجاب کے اس فعل سے معلوم ہوا کہ ذیشان پہلے سے دہشت گرد ڈکلیئر نہیں تھا اور اس سے قبل اس کا کوئی کریمنل ریکارڈ بھی موجود نہیں تھا۔ اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ سی ٹی ڈی اہلکاروں نے محض گاڑی کو نشانہ بنایا۔ ان کو نہیں معلوم تھا کہ گاڑی کے اندر موجود افراد میں کون مبینہ دہشت گرد تھا۔

4۔ اگر معلوم تھا کہ ذیشان ہی دہشت گرد ہے تو پھر اس کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی؟ اس کے ساتھ بے گناہ خاندان کو کیوں بھون دیا گیا؟

5۔ بچوں اور خواتین کو دیکھ لیے جانے کے باوجود آپریشن روکا یا معطل کیوں نہیں کیا گیا؟

6۔ سی ٹی ڈی کو کس نے اختیار دیا ہے کہ خود ہی کسی کو دہشت گرد قرار دے کر اور خود ہی عدالت لگا کر ملزم کو سڑک پر بے دردی سے سزا بھی دے دے؟

یہ وہ سوالات ہیں جنہوں نے ساہیوال واقعہ کے بعد شدت سے شہریوں کے ذہنوں میں جنم لیا ہے اور المیہ یہ ہے کہ یہ اس طرح کا کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے کہ جس کو محض اتفاق سمجھ کر بھول دیا جائے۔ پاکستان کے تحقیقاتی اداروں کی تاریخ اس طرح سنگین واقعات سے بھری پڑی ہے۔ نقیب اللہ محسود کو ابھی تک کوئی بھی بھولا نہیں ہوگا۔ تب بھی پولیس نے یہی دعویٰ کیا تھا کہ شاہ لطیف ٹاؤن میں مقابلے میں تین دہشت گرد مارے گئے ہیں اور ان کے قبضہ سے بھاری اسلحہ بھی برآمد ہوا ہے مگر بعد میں پتہ چلا کہ نقیب اللہ محسود بالکل بے گناہ تھا اور اس سمیت مارے جانے والے تینوں افراد جبری لاپتہ کیے گئے تھے۔

20 مئی 2011ء میں کوئٹہ کے علاقے خروٹ آباد میں ایف سی اہلکاروں نے دو خواتین سمیت پانچ چیچن باشندوں کو گولیوں سے بھون دیا۔ ان میں سے ایک خاتون حاملہ تھی اور گولیوں کی برسات میں ہاتھ اُٹھا کر رحم کی بھیک مانگتی رہی مگر جوانوں کو اس وقت تک رحم نہ آیا جب تک کہ اس کے مرنے کا یقین نہیں ہوگیا۔ اس واقعہ کے بعد بھی حسبِ سابق بیان جاری کیا گیا کہ مرنے والے سب خودکش بمبار تھے۔ کوئٹہ کے سی سی پی او داؤد جونیجو نے پریس کانفرنس کی کہ ان کے قبضے سے 48 فیوز اور سات ڈیٹونیٹرز بھی برآمد ہوئے اور یہ پانچوں اپنے ہی دستی بم پھٹنے سے ہلاک ہوئے۔ مگر جب وڈیو وائرل ہونے پر چھان بین ہوئی تو پتا چلا کہ مرنے والوں کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا۔ پوسٹ مارٹم میں بھی تصدیق ہوگئی کہ لاشوں پر گولیوں کے نشانات تھے، بارود کے نہیں۔ اسی طرح سانحۂ ماڈل ٹاؤن کو بھی کون بھول سکتا ہے جس میں چودہ بے گناہ افراد قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آج سانحۂ ساہیوال پر وہ لوگ بھی بڑھ چڑھ کر تقریریں کر رہے ہیں جو سانحۂ ماڈل ٹاؤن کے ذمہ دار تھے۔ حالانکہ اگر ان تمام کیسز میں ملوث کسی ایک ذمہ دار کے خلاف بھی قانونی کارروائی مکمل ہوتی اور اسے قرارواقعی سزا مل جاتی تو آج یہ واقعہ رونما نہ ہوتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ راؤ انوار جیسے سفاک قاتل آزاد گھوم رہے ہیں جس نے 400 سے زائد بے گناہوں کو پولیس مقابلے کے نام پر قتل کیا۔ یہ اس نوعیت کے جعلی پولیس مقابلے ہیں جن میں آج تک کسی پولیس والے کو ایک خراش تک نہیں آئی مگر دوسری طرف ہزاروں افراد ناحق مارے گئے۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں بے گناہوں کا قتل معمولی بات سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اس کائنات کا خالق قرآن میں فرماتا ہے کہ جس نے کسی بے گناہ کو بلا جواز قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔ (المائدہ:32) کسی ایک انسان کے خونِ ناحق کے چھینٹے پورے معاشرے اور پورے ملک کو برباد کر کے رکھ سکتے ہیں۔ نقیب اللہ محسود کے قتل کو ہی لیجیے، اس کے بعد ہمارے ایک پورے ریجن میں پشتون تحفظ موومنٹ کھڑی ہوگئی۔ جس کے بارے میں آج ریاست کی سطح پر شدید تحفظات ہیں کہ ملک دشمن قوتیں اس تحریک کو ہائی جیک کر سکتی ہیں۔ اس کے بعد بھی ہم کتنی اور موومنٹس قتل ناحق کے ذریعے پیدا کریں گے؟ اسی لیے کہا گیا کہ 99 ملزمان کو چھوڑ دینا اتنا ضرر رساں نہیں ہوتا جتنا کسی ایک بے گناہ کو سزا ملنا ہوتا ہے۔

خاص طور پر جب ہم ریاست مدینہ کی بات کرتے ہیں تو اس کی بنیاد ہی عدل اور رحم پر تھی۔ اگر ہمارے حکمران ریاست مدینہ کے اپنے دعوے میں سچے ہیں تو پھر انہیں اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ اس کے بعد کسی کو بھی ماورائے عدالت قتل و غارت گری کی جرأت نہ ہو۔ اگر قانون میں اس کی گنجائش ہے بھی تو اس کو بدل دیا جائے۔ خاص طور پر سانحہ ساہیوال کے بعد کسی پولیس مقابلے کی گنجائش بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کوئی واقعی مجرم ہے تو اس کے متعلق تمام شواہد اکٹھے کرنے کے بعد اسے عدالت سے سزا دلوائی جائے۔ ورنہ اگر یہی روایت قائم رہی تو عوام کا اداروں کے ساتھ ساتھ ریاست پر سے بھی اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اس المناک سانحہ نے خلیل فیملی کے بچ جانے والے معصوم بچوں کے ذہنوں پر جو بھیانک نقش قائم کیے ہیں کیا چند افراد کو معطل کرنے سے یا متاثرہ خاندان کے لیے بڑی رقم کا اعلان کرنے سے وہ مٹ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کا ازالہ صرف اسی طور پر ہوسکتا ہے کہ ہم اس پورے نظام کو بدلنے کی کوشش کریں اور اس ملک اور اس کے نظام کو انہی بنیادوں پر کھڑا کریں جن پر یہ ملک قائم ہوا تھا اور وہ بنیاد ایک ہی تھی کہ ہم یہاں رحمۃ للعالمین ﷺ کا نظام قائم کریں گے۔ آج اس نظام رحمت سے روگردانی کی وجہ سے ہی ہمیں سانحۂ ساہیوال جیسے المناک واقعات کا سامنا ہے۔ آیئے! کاش ہم جان جائیں اور دین سے بغاوت کی اس روش کو ترک کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں پاکستان کو ریاست مدینہ کی طرز کی ریاست بنانے کے لیے دل و جان سے جدوجہد کریں تاکہ آئندہ کوئی پاکستانی اس طرح کے بے رحم حادثات کا شکار نہ ہو۔

سسرالی رشتوں سے حسنِ سلوک

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں تنظیم اسلامی کے ناظم مالیات محترم اعجاز لطیف کے 18 جنوری 2019ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

محترم قارئین! آج ہم سسرالی جھگڑوں کی بنیاد اور ان سے بچاؤ کی تدابیر کے حوالے مطالعہ کریں گے ان شاءاللہ۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے:

''اور وہی ہے جس نے پانی سے پیدا کیا انسان کو تو اُس نے بنایا اس کے لیے نسب اور سسرالی رشتہ اور آپ کا رب سب قدرتوں کا مالک ہے۔'' (الفرقان:54)

یہ رشتے اللہ کی قدرتوں کے شاہکار ہیں۔ ایک نسب کا رشتہ ہے جو والدین سے ملتا ہے اور دوسرا سسرالی رشتہ ہے۔ یہاں ان دونوں رشتوں کا متوازی ذکر ہے۔ یعنی جو اہمیت والدین کی ہے وہی اہمیت قرآن مجید سسرال کی بھی بتا رہا ہے۔ جس طرح سے ماں اور بیٹے کا نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح داماد اور ساس کا بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔ جس طرح باپ اور بیٹی کا نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح بہو اور سسر کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عزت و احترام اللہ نے والدین کو دیا ہے وہ سسرال والوں کو بھی دیا ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے کہ یہاں سسرالی رشتوں کو اہمیت ہی نہیں دی جاتی۔ حالانکہ جس طرح میاں بیوی کے آپس میں حقوق و فرائض ہیں اسی طرح سسرال والوں کے بھی حقوق ہیں۔ سسرال کے حقوق کو لڑکی اور لڑکا دونوں کے لیے سمجھنا ضروری ہے اور ان کے اقرباء سے حسن سلوک میں ہی کامیاب زندگی کا راز پنہاں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے گیارہ نکاح کیے۔ ان تمام سسرالی رشتہ داروں سے آپ ﷺ کا اخلاق اور برتاؤ نہایت ہی شریفانہ اور مودبانہ رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا جو نبی اکرم ﷺ کی خوشدامن تھیں ان کے بارے میں آپ ﷺ نے ہمیشہ توصیفی کلمات کہے۔ ان کی وفات 6ھ میں ہوئی تو آپ ﷺ ان کی تدفین کے لیے بنفس نفیس قبر میں اترے اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اُم رومان نے تیری اور تیرے رسول ﷺ کی راہ میں کیا کیا تکلیفیں برداشت کیں۔ وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یعنی آپ ﷺ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی۔ اُسوہ حسنہ یہ بتاتا ہے کہ جیسا سلوک انسان کا اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی ساس کے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا اپنے سسر کے ساتھ رویہ یہ تھا کہ حضرت ابوسفیانؓ جو اُم المومنین اُم حبیبہ کے والد تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے لیکن ان کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ اخلاق، رواداری، اپنائیت اور دلجوئی والا رہا۔ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ کے پاس آکر

مرتب: ابوابراھیم

انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے نہ صرف ان کو پناہ دی بلکہ یہ اعلان کردیا کہ جو بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ بھی امن میں ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ امہات المومنین کے بہن بھائیوں کی نیک عادات کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے اس طرح کسی بھی بیوی کا دل خوشی سے کتنا لبریز ہوجاتا ہوگا۔ آپ ﷺ امہات المومنین کے بہن بھائیوں پر کوئی روک ٹوک نہیں فرماتے تھے کہ یہ کیوں آتے ہیں۔ جب جی چاہتا وہ اپنی بہنوں سے ملاقات کے لیے آجایا کرتے تھے۔ یہ بھی بیوی سے حسن سلوک اور سسرالی رشتہ داروں کے احترام کا ایک حصہ ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور آپ ﷺ کی سالی تھیں وہ آپؐ کے پاس اکثر آتی تھیں۔ آپ ﷺ انہیں نیکی کے کاموں کی ہدایت بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسماء! گن گن کر خرچ نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ آپ ﷺ کا اپنے سسرال والوں کے ساتھ کیا رویہ تھا اور ہمیں اس کی روشنی میں اپنے رویوں پر غور کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں تو لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم تو سسرال کو گھاس ہی نہیں ڈالتے۔ ہم تو ادھر جاتے ہی نہیں ہیں۔ یہ رویے قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ یقیناً اس سے گھر میں ناچاقیاں بڑھتی ہیں۔

گھر میں اصل مسئلہ ساس اور بہو کا پیدا ہوتا ہے۔ یہ اصل میں چینج آف منیجمنٹ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ تبدیلی کے امر کو صحیح طریقے سے manage کرنا بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ بہو کے آنے سے پہلے ساس کا ہی گھر میں حکم چلتا ہے، گھر کی مالک بھی وہی ہے، لیکن جب بہو آتی ہے تو ساس اپنی اس حکومت کے اندر دخل اندازی برداشت نہیں کرتی اور چاہتی ہے کہ جیسے گھر میں دوسری نوکرانیاں میرے ماتحت کام کرتی ہیں اسی طرح بہو کو بھی کرنا چاہیے۔ جبکہ دوسری طرف بیوی اپنے خاوند کے لیے تو ہر قربانی برداشت کرلیتی ہے لیکن اپنی ازدواجی زندگی کے اندر بہت زیادہ مداخلت اس سے برداشت نہیں ہوتی اور یہی بات ساس اور بہو کے جھگڑے کی بنیاد بنتی ہے۔ اسی طرح بہو کے آنے سے پہلے بیٹا پورے کا پورا اپنی ماں کا ہوتا ہے لیکن جب بہو آتی ہے تو بیٹا بیوی کا بھی ہوجاتا ہے۔ جب ماں دیکھتی ہے کہ ان میں محبت بڑھ رہی ہے تو پھر وہ اس روک لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ بیوی کے خلاف بیٹے کے کان بھرنے شروع کردیتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ پہلے بیٹا تنخواہ لے کر آتا تھا تو ماں کی مٹھی میں رکھ دیتا

تھا لیکن اب وہ بیوی کو بھی کچھ دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک محاذ کھڑا ہو جاتا ہے۔ جھگڑے کی ایک وجہ بداعتمادی بھی ہے کہ بیوی گھر کی چیزیں اپنے گھر والوں کو تو نہیں بھیج دیتی یا اپنی سہیلیوں کو تو نہیں دیتی۔ یعنی شک کی نظر سے دیکھنا بھی تلخی کا باعث بنتا ہے۔ پھر ساس صاحبہ چونکہ اپنے بچوں کی شادیاں کروا کر بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں اور بڑھاپے کی عمر میں ویسے ہی تلخی بڑھ جاتی ہے اور پھر اس کو یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ اب بیوی کی آمد کی وجہ سے میں نظرانداز کی جا رہی ہوں۔ بیٹا جو پہلے آتا تھا مجھے سلام کرتا تھا اب یہ زیادہ وقت بیوی کے پاس گزار رہا ہے۔ یعنی ماں کے دل میں احساس محرومی پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اس قسم کے حربے بھی استعمال کرتی ہیں کہ پہلے میرے پاس آ کر بیٹھا کرو۔ ایسے میں بیٹے کو چاہیے کہ وہ اس تبدیلی کو اچھا طریقے سے manage کرے اور اپنا رویہ ہر ایک کے ساتھ درست اور متوازن رکھے۔ ماں کو یہ احساس پیدا نہ ہونے دے کہ وہ بیٹے سے محروم ہو رہی ہے اور بیوی کو یہ محسوس نہ ہونے دے کہ اس کی محبت میں کمی آ رہی ہے۔

شادی سے پہلے بہو اپنے والدین کے گھر میں ناز و نعم میں پلی ہوتی ہے۔ بلکہ اکثر لڑکیاں تو ابھی تعلیم حاصل کر رہی ہوتی ہیں جب ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ ابھی وہ بالکل ناتجربہ کار ہوتی ہیں اور ان کی ابھی سیکھنے کی عمر ہوتی ہے۔ اس حالت میں جب وہ سسرال میں کوئی کام کرتی ہیں تو ان سے غلطیاں بھی سرزد ہو سکتی ہیں۔ ایسے میں سسرال والوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ بھی ہماری بیٹیوں کی طرح ہیں۔ اگر اس کی کوئی حرکت اچھی نہیں لگی تو خاموشی اختیار کرنے میں فائدہ ہے۔ چونکہ وہ ابھی ناتجربہ کار ہے اس لیے اس کی کسی چھوٹی سی غلطی پر جھگڑے کا ماحول نہیں بنانا چاہیے۔

لڑکی کی طرف سے ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ گھر میں کسی سے کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو بجائے اپنے گھر میں مسئلہ حل کرنے کے وہ اپنے والدین سے ذکر کرے گی۔ جب وہاں بیان ہو گا تو قدرتی بات ہے کہ پھر ماں باپ اپنی بچی کی سپورٹ کریں گے۔ آج کل تو موبائل پر منٹ منٹ کی خبریں پہنچ جاتی ہیں۔ جس سے پھر فساد شروع ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ مفادات کی جنگ ہوتی ہے جس میں ساس کا اپنا مفاد ہوتا ہے، نند کا اپنا اور بہو کا اپنا۔ ان تمام جھگڑوں کو مٹانے میں اصل کردار سسر کو ادا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ نے اسے قوام یعنی نگران یا منتظم بنایا ہے۔ لہٰذا سسر کو بڑی حکمت کے ساتھ ان جھگڑوں کو حل کرنا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ ایسے موقع پر ریسکیو کے لیے آئے اور اس بچی کا سہارا بنے جس کے خلاف اتنی ساری شخصیات نے ایک محاذ کھول رکھا ہے۔ اگر وہ اس کو اپنی بیٹی کی طرح سہارا دے، جس کی بات غلط ہے اس کو روکے ٹوکے تو یہ مسئلہ گھر کے اندر ہی حل ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے لوگ نماز اور روزے کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ یہ رحم، شفقت اور ایثار کا جذبہ اور محبت و مروت والی اقدار کو اگر گھر کے اندر پروموٹ کیا جائے اور نئی آنے والی بچی کو گھر کے اندر ایڈجسٹ کیا جائے، اس کو accomodate کیا جائے اور گھر کا ہر شخص ان چیزوں کو مدنظر رکھے تو ان شاء اللہ ان جھگڑوں سے بچا جا سکتا ہے۔

عرب ممالک میں جوائنٹ فیملی سسٹم نہیں ہے۔ وہاں شادی کے بعد دلہن الگ گھر میں رہتی ہے جس کی وجہ سے وہاں ایسے جھگڑے پیدا نہیں ہوتے۔ دین کی سپرٹ بھی یہی ہے کہ نئے شادی شدہ جوڑے کی ایک پرائیویسی ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’اے ایمان والو! چاہیے کہ تم سے اجازت لیا کریں تمہارے غلام اور لونڈیاں اور تمہارے وہ بچے بھی جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے' تین اوقات میں۔ فجر کی نماز سے پہلے' اور جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔‘‘ (النور:58)

یعنی یہ میاں بیوی کے تخلیہ کے اوقات ہوتے ہیں۔ یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ نئے شادی شدہ جوڑے کے لیے ایک علیحدہ یونٹ ہونا چاہیے جہاں کسی کی غیرضروری

پریس ریلیز 25 جنوری 2019ء

جھوٹی گواہی کے متعلق چیف جسٹس کے ریمارکس قابل تحسین ہے

پاکستان میں شرعی نظام کے قیام کے لیے ماہرین قانون اور علماء کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے

حافظ عاکف سعید

جھوٹی گواہی جرم عظیم ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مکہ مکرمہ سے ایک بیان میں کہی۔ اُنہوں نے چیف جسٹس آصف سعید کھوسہ کے اُن ریمارکس کی تحسین کی جس میں اُنہوں نے جھوٹی گواہی دینے والے کو زیادہ سے زیادہ سزا دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ جھوٹی گواہی یقیناً ناقابل معافی جرم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو شرک کے مترادف قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں قانونِ شہادت ہمیشہ سے تنقید کا ہدف رہا ہے۔ یہ قانون حکومتِ برطانیہ نے ایک غلام ریاست کے غلام باشندوں کے لیے بنایا تھا لیکن آزادی کے بعد تمام حکومتیں اس میں ترمیم کرنے اور اُس کے نقائص دور کرنے میں ناکام رہیں۔ اُنہوں نے محترم چیف جسٹس کو مشورہ دیا کہ وہ جھوٹی گواہی پر سزا کے حوالے سے علماء کرام سے مشورہ کریں تاکہ ایسے مجرم کے لیے اُس کے جرم کی نوعیت کے مطابق منصفانہ سزا کا تعین ہو سکے اور ہماری عدالتیں اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ ملک کے تمام قوانین شریعت یا شریعت کی منشاء کے مطابق بنانے کے لیے ماہرین قانون اور علماء کرام سر جوڑ کر بیٹھیں تاکہ پاکستان میں صحیح معنوں میں شرعی نظام قائم ہو سکے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

مداخلت نہ ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف نان نفقہ ہی شوہر کی ذمہ داری ہے حالانکہ نفقہ صرف کھانے پینے کی چیز نہیں ہے اس میں کپڑے اور رہائش بھی شامل ہے۔ جوائنٹ فیملی میں بھی کم سے کم پرائیویسی اتنی تو ضرور ہونی چاہیے کہ ایک الگ کمرہ ہو separate باتھ روم ہو اور باقی ستر وحجاب کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں آسانی ہو۔ اس کمرے کے ساتھ کچن بھی ہو یا کم سے کم اسی کمرے میں نئے جوڑے کے لیے ایک چولھا اور دیگر کچن کی ضروریات ہوں تا کہ بہو اپنے کھانے پکانے کی ضروریات پوری کر سکے۔ یہ اس خاتون کا شرعی حق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے گیارہ نکاح کیے تھے اور ازواج مطہرات کے گیارہ حجرے تھے۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو ہر ایک ازواج کے لیے دنیوی لحاظ سے بڑا سے بڑا محل بھی تعمیر کروا سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کے لیے اسوہ حسنہ چھوڑا ہے۔ ایک چھوٹا سا کمرہ اور اس سے بھی چھوٹا سا آنگن۔ لیکن ہر زوجہ محترمہ کے لیے علیحدہ تھا۔ وہ حجرہ تواضع اور مسکنت کی منہ بولتی ہوئی تصویر تھا۔ اگر ہم اسوہ پر عمل کریں تو ساس اور بہو کے جھگڑے کا مسئلہ ہی حل ہو جائے۔ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو علیحدہ ٹھکانہ فراہم کرے لیکن سمجھدار بیوی کو چاہیے کہ وہ شوہر کے تمام حالات کا جائزہ لے کہ اس کے والدین کی صحت کیسی ہے، اس کی تنخواہ علیحدہ ہونے کی متحمل ہو سکتی ہے یا نہیں، اس کے بھائی بہن ابھی عمر کے کس سٹیج پر ہیں، ان کو نگرانی اور تربیت کی اگر ضرورت ہے اور وہ سب آپس میں انڈرسٹینڈنگ کے ساتھ اکٹھے رہ سکتے ہیں اور شریعت کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ اگر اس کے برعکس معاملہ ہو تو پھر علیحدہ رہنے والا پہلو دین کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ البتہ اگر بیوی علیحدہ گھر کا مطالبہ اس نیت سے کرے کہ ماں اور بیٹے میں جدائی ڈال دے تو پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی اس وعید کی مستحق بنے گی کہ جو شخص ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان جدائی پیدا کرے تو اللہ عزوجل روز قیامت اس کے اور اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی پیدا کر دے گا۔ لہٰذا ایسی نیت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

ساس سسر کی خدمت:

یہ بات اکثر نزاع کا باعث بنتی ہے کہ شوہر کے والدین کی خدمت بیوی پر قانوناً واجب نہیں۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے ساس سسر کا خیال رکھنا بہو کے لیے بھی داماد کے لیے بھی ضروری ہے۔ میاں بیوی کی زندگی اصول وضوابط کی نہیں ہوتی بلکہ اخلاق، مروت اور پیار محبت کی زندگی ہوتی ہے اور اس کی کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ بیوی شوہر کی اطاعت گزاری کرے۔ اس کی منشاء کو سمجھے اور اس کے والدین کی بھی خدمت کرے۔ بہو جیسے اپنے والدین کی خدمت اور احترام کرتی ہے، جس طرح انہیں راحت پہنچانا اپنے لیے سعادت سمجھتی ہے تو اسی طرح وہ ساس سسر کی خدمت کو بھی اپنے لیے سعادت سمجھے۔ ساس سسر کی خدمت واجب نہ ہونے کا مطلب اصل میں یہ ہے کہ یہ نکاح کے ایگریمنٹ کا حصہ نہیں ہے کہ بیوی ساس سسر کی بھی خدمت کرے گی۔ بلکہ نکاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کی حلال خواہشات کی تسکین ہو، اولاد کا حصول ممکن ہو اور مل جل کر اولاد کی بہتر تربیت کر سکیں۔ یعنی نکاح کا بنیادی مقصد ایک خاندان کو آباد کرنا ہے۔ ساس سسر کی خدمت بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ ساس سسر کے بھی حقوق ہیں۔ ایک تو وہ بزرگ ہیں اور بزرگوں کی خدمت کرنے کی شریعت نے تعلیم دی ہے اور پھر یہ عام بزرگ نہیں ہیں بلکہ شوہر جیسی محترم شخصیت کے والدین ہیں۔ اگر شوہر بیوی کے لیے قابل احترام تو شوہر کے نزدیک سب سے زیادہ قابل احترام اس کے والدین ہیں اور شریعت نے بہت حد تک ان کو بہو کے بھی والدین بنایا ہے۔ انہیں ہمیشہ کے لیے بیوی کا محرم بنایا ہے۔ اگر یہ سسرالی رشتے اتنے ہی غیر اہم یا غیر ضروری ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اکٹھے کیوں فرماتا۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ ساس سسر کی خدمت بہو کے فرائض میں شامل نہیں ہے تو اس سے سوال یہ ہے کہ کیا دین میں فرائض اور واجبات کے علاوہ کچھ نہیں ہے؟ کیا میاں بیوی صرف فرائض اور واجبات پورے کرنے کے لیے ہیں؟ اگر اس اصول پر آ جائیں تو پھر بیویوں کو بھی بہت ساری آسائشیں جو شوہر نے خواہ مخواہ اپنے ذمہ لے رکھی ہیں وہ بھی سب کی سب تلف ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر شوہر کی ذمہ اوسط درجے کا کھانا کھلانے کی ذمہ داری ہے۔ اچھے سے اچھا کھانا کھلانا شوہر کی ذمہ داری نہیں ہے۔ گھر میں ہر سہولت مہیا کرنا کیا شوہر کی ذمہ داری ہے؟ اس طرح کی بہت ساری آسائشیں شوہر بیوی کو مہیا کرتا ہے جو اس کی ذمہ داری میں نہیں آتیں۔ نجانے شوہر بیوی کے لیے کیا کچھ کرتا ہے حالانکہ یہ سب شوہر کے فرائض اور واجبات میں شامل نہیں ہے۔ وہ صرف اچھا فیملی تعلق قائم کرنے کے لیے یہ سب کرتا ہے۔ اگر شوہر یہ کر رہا ہے تو بیوی کو بھی اپنے فرائض سے بڑھ کر کچھ کرنا چاہیے کیونکہ:

﴿هل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾ ۝

میاں بیوی کا تعلق فرائض وواجبات سے نہیں بلکہ یہ رشتہ اخلاقیات (پیار، محبت، مودت، صلہ رحمی، رحمت) سے چلتا ہے۔ قرآن مجید میں ان رشتوں کو توڑنے والوں کے لیے کتنی وعیدیں آئی ہیں؟ کیا حدیث میں صلہ رحمی کی تاکید نہیں کی گئی ہے؟ وہی دین جس میں پڑوسی کے اتنے حقوق بیان کیے گئے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں پڑوسی کو وراثت میں حصہ دار نہ بنا دیا جائے۔ اسی دین میں ایک ہی گھر میں رہنے والے والدین کیا کسی حسن سلوک کے مستحق نہیں ہیں؟ کیا وہ پڑوسیوں سے بھی گئے گزرے ہیں؟ کیا شوہر کے بہن بھائی کسی حسن سلوک کے مستحق نہیں ہیں؟ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں کرنے سے کیا رشتے ٹوٹیں گے یا جڑیں گے؟ کیا کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اس بات کو سن کر خوش ہوگا یا ناراض ہوگا؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے نیت اللہ کو راضی کرنے والی بنا لیں اور پھر ان کی خدمت کریں تو اللہ آپ کو ایسی توفیق دے گا کہ آپ خوشی سے ان کی خدمت کریں گے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ میں ان کی خدمت کروں گی تو وہ مجھے شاباش دیں گی یا ساس سسر کو راضی کرنا مقصود ہو تو پھر بہو دل سے ان کی خدمت نہیں کر سکیں گی۔ جبکہ وہ اللہ سے اجر کی طلب گار بن کر یہ کام بہت آسانی سے کر سکتی ہے۔ یعنی بہو یہ سوچے کہ یہ میرے لیے اعزاز ہے کہ میں بزرگوں کی خدمت کرتی ہوں اور میرے شوہر کی خوشی کا باعث بھی ہے جو میرے اللہ کو راضی کرنے کا باعث بنے گی تو ان شاء اللہ اس کو اللہ بہت اجر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین اسلام کے قانونی واخلاقی تقاضوں پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀

دعائے صحت کی اپیل

☆ مدیر شعبہ مطبوعات حافظ خالد محمود خضر کی اہلیہ محترمہ شدید علیل ہیں۔

☆ ملتان کینٹ کے سینئر ملتزم رفیق جناب ناصر انیس خان بیمار ہیں۔

اللہ تعالیٰ مریضوں کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ
لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha@yahoo.com

محکماتِ عالمِ قرآنی

2

4۔ حکمت خیر کثیر است

4 نسخۂ او نسخۂ تفسیرِ کل	بستۂ تدبیرِ او تقدیرِ کُل

اس خیر کثیر کی روشنی میں کائنات کی ہر باریکی اور راز کی تفسیر ہوسکتی ہے اور اس مادی دنیا کی ہر شئے کی تقدیر حقیقتاً اسی (نوری) علم سے وابستہ ہے

5 دشت را گوید حبابے دہ، دہد	بحر را گوید سرابے دہ، دہد!

اگر (ایسا صاحب علم) صحرا و بیابان سے کہے یہاں (بارشیں ہوں اور پانی کی فراوانی ہو کہ بہتے پانی میں) بلبلے نظر آئیں تو ایسا ہوجاتا ہے اور سمندر سے کہے کہ یہاں (خشک صحراء بن کر) سراب نظر آئیں تو ایسا ہوجاتا ہے

6 چشمِ او بر وارداتِ کائنات	تا بہ بیند محکماتِ کائنات

ایسے حکیم اور دانا انسان (جسے حکمت مل جائے) کی نگاہ کائنات کے واقعات اور ان کی کیفیات کے پس پردہ خالق کائنات پر ہوتی ہے یہاں تک کہ اسے کائنات میں محکمات (قرآنی) کا سراغ مل جاتا ہے

4۔ ہر قوم، ہر معاشرہ اور ہر تہذیب اپنے علم، انداز فکر اور حاصل فکر سے کائنات کی تشریح کرتی ہے نتیجتاً علم کہیں یا افکار کہیں یا تشریح کائنات کہیں ___ باہم ایک تقابل کی کیفیت اور مقابلہ روئے ارضی پر ہر زماں اور ہر جگہ جاری رہتا ہے۔ اسی کشمکش یا کشاکش کو ایک انداز میں تنازع للبقاء (SURVIVAL OF THE FITTEST) کہا جاتا ہے قرآن مجید میں (17:13) فرمایا گیا ہے کہ جو حاصل فکر انسان دوست، علم دوست، اور خدا شناس ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے باقی سب افکار مٹ جاتے ہیں اور قصہ ماضی ہوجاتے ہیں۔

علامہ اقبال کے نزدیک قرآن مجید کے محکمات کی روشنی میں اور اس کے زیر اثر جو نظریات و افکار جنم لیں گے وہ خداشناس، وحی شناس، انسان دوست، علم دوست، اَخلاق دوست اور ماحول دوست ہوں گے لہٰذا یہی حکمت دیرپا اور اٹل ہوگی اور کل کائنات کی صحیح اور سچی تصویر کشی کرے گی اور اسی حکمت اور خیر کثیر کی بدولت جو انسانی معاشرہ بنے گا وہ ایسا معاشرہ ہوگا کہ وہ اپنی تقدیر خود بنائے گا کہ اسی حکمت کی روشنی میں کائنات میں تبدیلیاں جاری ہیں اور زمان و مکان کا سفر جاری ہے۔ جوابِ شکوہ کا آخری بند اسی حکمت کا ذروۂ سنام (CLIMAX) ہے کہ۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
میرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

5۔ ایسا حکیم انسان اور صاحبِ نظر انسان اگر صحراء (یا خشک دریا) کو کہے کہ یہاں پانی کی فراوانی ہوجائے اور بہتے پانی میں بلبلے نظر آئیں تو ایسا ممکن ہے اور اس کے برعکس اگر ایسا صاحب علم سمندر سے کہے کہ یہاں انسانی ضرورت ہے صحراء بن جائے اور سراب نظر آئیں تو ایسا ممکن ہوجاتا ہے۔ ایک صاحب نظر اور حکیم انسان (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے دریائے نیل کو خط لکھ کر خشک دریا کو روانی پر مجبور کردیا تھا۔ ایسے ہی اہل علم و اہل حکمت کے ایک لشکر (جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم) نے شمالی افریقہ فتح کیا اور ایک پڑاؤ ڈالنا تھا جنگل گھنا تھا اور جنگلی جانوروں کی بہتات تھی مگر غلامانِ محمد ﷺ کی فرمائش پر وہ جنگلی جانور اس مقام سے کوچ کر گئے اور ایسے ہی 'کتاب' کا علم رکھنے والا ایک شخص (رضی اللہ عنہ) تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بزم میں کرسی نشین تھا کہ اس نے پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ بلقیس (رضی اللہ عنہا) کے وسیع و عریض تخت کو قریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر کی دوری سے لا حاضر کیا۔ یہ مثالیں اسی محکمات قرآنی کے تحت حاصل شدہ علم کی ہیں جسے خیر کثیر کہا گیا ہے۔ (اس آخری مثال سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم و حکمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے)۔

6۔ اے ابنِ آدم! اے قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے انسان! اگر کسی کو یہ حکمت اور یہ خیر کثیر مل جائے تو وہ اسی علت (CAUSE) اور معلول (EFFECT) سے وجود میں آنے والی مادی کائنات میں ہی رہتا ہے تاہم اس کی نگاہ واقعات و حادثات پر گہری ہوتی ہے اور صرف اسباب کی بجائے ایسے دانا انسان کی نگاہ مسبب الاسباب یعنی خالق کائنات کی طرف اُٹھ جاتی ہے اور یوں ایسا انسان اپنے ذہنی فکر کی بدولت خالق کائنات کو پہچان لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے (اس پورے ذہنی سفر کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں آیا ہے)۔ نہ صرف وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے بلکہ آخرت پر بھی اس کا علم 'سنی سنائی بات' سے بڑھ کر یقین اور مذہبی تجربہ (RELIGIOUS EXPERIENCE) کی شعوری کیفیت تک جا پہنچتا ہے۔ یوں ایسا علم انسان کو محض تجرباتی علوم سے نکال کر علم وحی سے ہم آغوش کردیتا ہے اور ایسا شخص آسمانی وحی اور پیغمبرانہ تعلیمات کا قائل ہوکر ان کی تصدیق کرنے والوں میں شامل ہوجاتا ہے۔

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

علامہ اقبال

اگر مختلف مسلمان ممالک کی بجائے امتِ مسلمہ وجود میں آتی تو دنیا میں کہیں مسلمانوں پر ظلم وستم نہ ڈھایا جاسکتا: ایوب بیگ مرزا

یغور مسلمانوں پر چینی مظالم کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا امریکہ کی ''چائنہ گھیراؤ'' پالیسی کا ہی حصہ ہے: رضاء الحق

سنکیانگ کے حوالے سے مسلمانوں کے جذبات اُبھار کر امریکہ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل چاہتا ہے: آصف حمید

میزبان: وسیم احمد

چین کے یغور مسلمانوں پر مظالم کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

سوال: چین کے یغور مسلمانوں کی مختصر تاریخ کیا ہے؟

رضاء الحق: چین میں اس وقت ڈھائی کروڑ یغور مسلمان ہیں جن میں سے اسی فیصد چین کے جنوب مغربی صوبہ سنکیانگ میں رہتے ہیں جبکہ بیس فیصد باقی چین میں ہیں اور تقریباً دس سے پندرہ لاکھ کے قریب یغور مسلمان چین سے باہر ہیں جو زیادہ تر وسطی ایشیائی ریاستوں اور ترکی میں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مختلف ممالک میں یغور مسلمان موجود ہیں۔ پاکستان میں گلگت بلتستان کے علاقوں میں بھی ہیں۔ یغور تاریخی طور پر ترکی النسل ہیں۔ ان کی ظاہری بناوٹ چائنیز کی طرح کی ہے لیکن چونکہ ان کا وسطی ایشیا اور یورپ کے ساتھ بھی لنک بنتا ہے اس لیے ان کو یوریشین بھی کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان میں یورپ اور ایشیا کی کردار سازی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی تاریخ تقریباً ساڑھے چھ ہزار سال پرانی ہے۔ یہاں ان کا اپنا ملک ترکستان کے نام سے تھا۔ اسلام کی آمد کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد یہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ لمبے عرصہ تک خلافت اسلامیہ کا حصہ رہے۔ پھر اس کے مغربی حصے پر سوویت یونین کا قبضہ ہو گیا جو سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد وسطی ایشائی ریاستوں کی صورت میں آزاد ہو گیا جبکہ مشرقی حصہ پر چین کا قبضہ ہے۔ جس کو چین نے سنکیانگ کا نام دے رکھا ہے۔ اس صوبہ کو چین نے اپنے آئین میں خود مختار علاقہ ڈیکلیئر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں کے لوگوں کو کسی حد تک آزادی حاصل ہوگی مگر اب مغربی میڈیا اور سوشل میڈیا کے مطابق وہاں چین نے رہی سہی آزادی بھی چھین رکھی ہے۔

سوال: مغربی میڈیا کے مطابق چین یغور مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھا رہا ہے۔ یہ مظالم کس نوعیت کے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: یغور مسلمانوں پر مظالم اور زیادتیوں کی خبریں تو بہت دیر سے آ رہی ہیں اور یہ خبریں مغربی میڈیا کے ذریعے ہی ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ مغربی میڈیا بہت ہی جانبدار ہے۔ یہ میڈیا پہلا الزام یہ لگاتا ہے کہ چین نے دس لاکھ یغور مسلمانوں کو محصور بنا رکھا ہے اور ان پر دس لاکھ کمیونسٹوں کو مسلط کر دیا ہے تاکہ وہ یغور مسلمانوں کی اسلامی شناخت ختم

مرتب: محمد رفیق چودھری

کر کے ان کو کمیونسٹ بنا سکیں۔ دوسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہاں یتیم خانوں میں بچوں کو مذہب سے برگشتہ کیا جاتا ہے یعنی ان میں مذہب سے نفرت پیدا کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ الزام بھی ہے کہ چین میں یغور مسلمان اعلیٰ عہدے نہیں حاصل کر سکتے۔ اس حوالے سے ان پر ایک طرح کی پابندی ہے۔ یہ پابندی اعلانیہ، قانونی یا آئینی طور پر نہیں ہوتی لیکن وہ عملی طور پر سامنے آتی ہے کہ انہیں آگے نہیں آنے دیا جاتا اور ان کی معاشی ناکہ بندی کی جاتی ہے تاکہ کوئی یغور مسلمان ترقی نہ کر جائے۔ یہ منصوبہ بندی حکومتی سطح پر کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یغور مسلمانوں کے لیے ترقی کرنا اور آگے بڑھنے مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مذہبی طور پر بھی ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ ان کو عبادات سے روکا جاتا ہے۔ کھلی فضا میں نماز جمعہ یا نماز عید کی ادائیگی بھی نہیں ہو سکتی۔ جبکہ مساجد بھی بند کی جا رہی ہیں یا شہید کی جا رہی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت تک پانچ ہزار مساجد بند یا شہید کر دی گئی ہیں۔ اسلامی شعائر پر بھی پابندی ہے۔ مرد داڑھی نہیں رکھ سکتے اور عورتیں حجاب نہیں لے سکتیں۔ اسی طرح اسلامی کتب حتیٰ کہ قرآن مجید کی اشاعت پر بھی پابندی ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو حلال خوراک سے روکا جاتا ہے اور حرام چینی کھانے کھانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہاں بچوں کے اسلامی نام رکھنے پر بھی پابندی ہے حتیٰ کہ مسلمان اپنے نام کے ساتھ لفظ محمد بھی نہیں لگا سکتے۔ بہر حال یہ وہ الزامات ہیں جو مغربی میڈیا چین پر لگاتا ہے اس میں حقیقت کتنی ہے اور کتنا افسانہ ہے اس کا پتا لگانا بہت مشکل ہے۔ البتہ یہ بات تو واضح ہے کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

سوال: مغربی میڈیا کی اس مہم کے مقاصد کیا ہیں؟

آصف حمید: ایک زمانے میں امریکہ نے اسلام اور جہاد کی محبت کے ترانے بہت گائے تھے کیونکہ اس کا مقصد سوویت یونین کو ختم کرنا تھا۔ اس وقت مسلمان اپنی سادہ لوحی میں یہ سمجھے تھے کہ امریکہ کو اسلام بہت پسند آ گیا ہے اور اس میں ان کو اللہ کی مدد نظر آئی۔ اس جنگ کو پوری دنیا نے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا اور اس سے امریکہ نے اپنا مقصد حاصل کیا۔ پھر نائن الیون کے بعد وہ تمام اسلامی وجہادی محاذ امریکہ نے ختم کرنے شروع کیے اور وہی امریکہ اسلام کا دشمن بن گیا۔ جو لوگ امریکہ کے ساتھ مل کر سوویت یونین کے خلاف لڑ رہے تھے انہی کو اب دہشت گرد قرار دیا گیا اور ان پر قتل وغارت گری اور قید وبند کا عذاب مسلط کیا گیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ مغربی یا امریکی میڈیا امریکہ اور مغرب کے فوجی مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرتا ہے۔ اس وقت دنیا میں کشمیر، فلسطین، شام، برما میں بھی مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ کیا یہ مغربی میڈیا کو نظر آتا ہے؟ اصل میں امریکہ یا مغرب اپنے مقاصد کے لیے اس طرح کے ایشوز کو اٹھاتے ہیں، کبھی وہ

اسلام کے حق میں اور کبھی اسلام کی مخالفت میں آواز اٹھاتے ہیں۔ آج ہمیں پتا ہے کہ سنکیانگ میں مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ہم ان کے لیے دعائے خیر کر سکتے ہیں۔لیکن امریکہ اور مغربی میڈیا سنکیانگ کے مسلمانوں کے حق میں اس لیے آواز اٹھا رہے ہیں تا کہ چین کو کمزور کیا جا سکے۔ پوری دنیا میں اس کو بدنام کیا جا سکے اور اس کا امیج خراب ہو۔اگر مغربی میڈیا سچا ہوتا تو دوسرے ممالک میں موجود مسلمانوں پر مظالم کے خلاف بھی اسی طرح آواز اٹھاتا۔

ایوب بیگ مرزا : مغرب اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے کبھی اسلام کا دوست بن جاتا ہے اور کبھی دشمن بن جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس کا دشمن سوویت یونین تھا لہٰذا اس نے اس سے نمٹنے کے لیے اسلامی ملکوں کو اپنا دوست بنایا۔ پاکستان کو سیٹو اور سنٹو میں شامل کیا گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ امریکہ اسلام کے لیے مر رہا ہے۔لیکن پھر نائن الیون کے بعد وہی مجاہدین امریکہ کی نظر میں دہشت گرد بن گئے۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ نائن الیون کے بعد مسلمانوں کے خلاف ہوا۔لیکن اصل بات یہ تھی کہ امریکہ سپریم پاور آف دی ورلڈ بننا چاہتا تھا۔اس کے لیے اسلام کا کندھا استعمال کر کے اس نے سوویت یونین کو شکست دی اور پھر اس کے بعد اب اسلام کے خلاف وہ صف آراء ہوا۔امریکہ کا یہ پروگرام دوسری جنگ عظیم کے بعد شروع ہو گیا تھا۔

سوال : یغور مسلمانوں پر چینی مظالم کی سوشل میڈیا اطلاعات میں کتنی صداقت ہے؟

رضاء الحق : اس میں کوئی شک نہیں کہ آج سوشل میڈیا، مین سٹریم میڈیا اور ایجوکیشن ٹولز ففتھ جنریشن وار فیئر کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔اس وار فیئر کا آغاز جنگ عظیم اول سے قبل ہوا تھا اور اس کے پیچھے مغرب ہے۔پھر جب سوشل میڈیا کا ٹول دنیا میں develop کیا گیا تو اس میں یہ چیز باور کرائی گئی کہ امریکہ اور مغرب لوگوں کو آزادی دیتے ہیں اور کچھ ایسے ممالک ہیں جو آزادی کے خلاف ہیں۔لیکن اگر آپ مغرب میں ہولوکاسٹ کے خلاف بات کریں تو اس پر سزا ملتی ہے۔ اگر آپ سوئزر لینڈ میں اللہ اکبر اونچی آواز سے کہیں گے تو آپ کو جرمانہ ہو جائے گا۔اگر آپ فرانس کے اندر حجاب پہنیں تو آپ کو جرمانہ کیا جائے گا اور پھر جیل بھیجا جائے گا۔حال ہی میں برطانیہ میں یہ قانون پاس ہوا کہ تمام تعلیمی اداروں میں چاہے وہ مذہبی بھی ہوں وہاں پر باہمی تعلق اور سیکس کی تعلیم دی جائے گی۔یعنی جس طرح وہ ایجوکیشنل ٹول استعمال کر کے ہمیں معاشرتی طور پر خراب کر رہے ہیں اسی طرح سوشل میڈیا کا ٹول بھی وہ ہمارے خلاف اور اپنے مفاد میں استعمال کر رہے ہیں۔سوشل میڈیا میں ہمیں کچھ خیر بھی نظر آتی ہے جو کہ ہم استعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس کو ہمارے بھلے کے لیے نہیں بنایا۔اس وقت پوری دنیا میں انہوں نے شطرنج کی بساط ایسے بچھائی ہوئی ہے کہ جس میں ایک طرف یورپ، امریکہ اور اسرائیل وغیرہ ہیں جن کے اپنے عزائم ہیں۔دوسری طرف ایک نیا بلاک بنتا جا رہا ہے جس میں روس، چائنہ اور کچھ دوسرے ممالک ہیں۔ Containment of China پالیسی امریکہ کی

چند سال پہلے امریکہ نے ہمارے میڈیا کو کئی ملین ڈالرز دیے تھے۔جب وہ ڈالر دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کا دل، دماغ اور زبان خرید لیتے ہیں اور پھر آپ کو وہ کہنا پڑتا ہے جو وہ چاہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پاکستانی میڈیا نے فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے اسرائیلی مظالم نہیں دکھائے

بہت پرانی ہے اور سنکیانگ ہی چین کا وہ علاقہ ہے جہاں سے چائنہ سی پیک کے ساتھ ساتھ ،ایس پیک اور آر پیک جیسے منصوبے بھی شروع کر رہا ہے۔لہٰذا سنکیانگ کے مسئلے کو دوبارہ اُٹھا کر مغرب مسلمانوں کو یہ بات باور کرانا چاہتا ہے کہ ہم آپ کے خیر خواہ ہیں لہٰذا ہم درمیان میں پڑ کر آپ کے مسئلے حل کروائیں گے۔لیکن ہم مغرب کو بتانا چاہتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے مسائل ہم خود حل کریں گے آپ کی مدد کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے مشورے کی ضرورت ہے۔پاکستان اور چین کے درمیان ایسے تعلقات ہیں کہ ہمیں درمیان میں کسی تیسرے فریق کی ضرورت نہیں ہے۔ہم چین کے ساتھ براہ راست مذاکرات کر کے یہ مسئلہ حل کروا سکتے ہیں۔

سوال : دنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے حوالے سے پاکستانی میڈیا کیوں خاموش ہے؟

ایوب بیگ مرزا : اگر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا میں کوئی بھی میڈیا آزاد نہیں ہے۔پاکستانی میڈیا بھی نام نہاد آزاد میڈیا کہلاتا ہے۔لیکن ہمارے لیے بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارا میڈیا ٹاک شوز میں سیاسی جماعتوں کے لوگوں کو ایسے لڑاتا ہے جیسے مرغ لڑائے جاتے ہیں اور جو اصل ایشوز ہوتے ہیں ان کو زیر بحث ہی نہیں لاتا۔آپ کو معلوم ہوگا کہ چند سال پہلے امریکہ نے ہمارے میڈیا کو کئی ملین ڈالرز دیے تھے۔جب وہ ڈالر دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کا دل، دماغ اور زبان خرید لیتے ہیں اور پھر آپ کو وہ کہنا پڑتا ہے جو وہ چاہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پاکستانی میڈیا نے فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے اسرائیلی مظالم نہیں دکھائے اور نہ ہی ہماری حکومتوں نے اس میں دلچسپی لی ہے کیونکہ وہ بھی بڑی طاقتوں کو ناراض کرنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتیں۔اگر آج ہم اسرائیل کے خلاف بات کرتے ہیں تو امریکہ ناراض ہوگا۔اسی طرح ہمارے میڈیا میں پیسے کمانے کا ایک مقابلہ ہے۔یقیناً یہ ایک بزنس ہے اور اس میں ریٹنگ کے لیے مقابلہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے لیکن اس کی کچھ حدود ہونی چاہییں۔ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اپنے ملک اور اسلام کے مفادات کو تج کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔جو اہم ایشوز ہوتے ہیں ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ٹھیک ہے کشمیر کے بارے میں کبھی کبھار ذکر ہوتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر کے حوالے سے ہر ہفتے ہر چینل پر ایک پروگرام لازماً ہونا چاہیے۔اسرائیل کے مظالم کا ذکر تو کبھی کبھار بھی نہیں ہوتا۔اصل میں اس راستے میں ذاتی اور کاروباری مفادات حائل ہیں جس کی وجہ سے دنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی اصل تصویر نہیں دکھائی جاتی۔

آصف حمید : نائن الیون کے بعد آزاد میڈیا کی اوپن سکائی پالیسی (پرائیویٹ چینل کھولنے کی پالیسی) مشرف کے دور میں شروع ہوئی۔ چونکہ اس وقت نائن الیون کا واقعہ ہوا تھا اور امریکہ لوگوں کے ذہنوں کو بدلنا چاہتا تھا اس لیے میڈیا کو آزاد کرنے میں اس کا کردار نمایاں تھا۔لیکن وہ اس کو اپنی سوچ کے مطابق آزاد کرنا چاہتا تھا۔پاکستانی میڈیا کے نامور صحافی ڈاکٹر شاہد مسعود کا کہنا ہے کہ میڈیا پر پابندی ہے کہ کسی امریکی فوجی کی لاش نہیں دکھائے گا اور کس کو شہید کہنا ہے، یا جاں بحق کہنا ہے اس کا فیصلہ بھی کہیں اور سے ہوتا تھا۔یعنی میڈیا کی آزادی کا مقصد امریکہ کے مفادات کو تحفظ دینا اور اسلام کے ساتھ لوگوں کے تعلق کو کمزور کرنا تھا۔اس مقصد کے لیے ایسے لوگوں کو میڈیا میں پروموٹ کیا گیا جن کو اسلام کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہوتا اور وہ میڈیا میں آ کر اسلامی پروگرام پیش کرتے ہیں۔اس کی سب سے بڑی مثال رمضان ٹرانسمیشن کے پروگرام ہیں جن میں فلمی اداکارائیں اسلام کی تشریح کرتی نظر آتی ہیں۔اسی طرح جو پاکستان

کی برائی کرے یا اس کے خلاف بات کرے اس کو آسکر ایوارڈ دے دیا جاتا ہے۔ اسی قسم کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ہمارے میڈیا کو آزاد کیا گیا۔ ہمارا دین کہتا ہے کہ برائی کو چھپاؤ اس کو عام نہ کرو لیکن ہمارا میڈیا برائی کو اچھالتا ہے، اس کو کھول کھول بیان کرتا ہے جس کی وجہ سے آج ہمارے ہاں بے حیائی اور فحاشی کا طوفان آچکا ہے۔ بہر حال ہمارا میڈیا آج بھی مغربی مقاصد کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہے۔

سوال: چین نے اسلام کو سوشلزم کے مطابق کرنے کا قانون منظور کیا ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

رضاء الحق: آپ کی بات درست ہے لیکن یہ پہلی بار نہیں ہوا۔ اس سے پہلے بھی اس طرح کے قوانین پاس ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ چین کی ون چائنہ پالیسی پہلے سے چل رہی ہے۔ بنیادی طور پر چائنہ ایک سوشلسٹ ملک ہے اور ایسے ممالک اسی طرح کی پالیسیز کو فالو کرتے ہیں۔ سکیانگ میں پچپن کے قریب اقلیتیں ہیں لیکن ان میں سے صرف مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان اپنے دین کے معاملے میں ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے۔ وہ اپنی عبادات نماز، روزہ، حجاب وغیرہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یورپ میں بھی مسلمان یہی کرتے ہیں حالانکہ وہاں پر انہیں کافی آزادی ہے لیکن اس کے باوجود یورپ میں ان سے شکوہ کیا جاتا ہے کہ آپ دوسرے مذاہب والوں کی طرح مغربی تہذیب میں ضم نہیں ہوتے۔ یعنی جس طرح ہم شراب پی رہے ہیں یا حرام کھا رہے ہیں اسی طرح آپ بھی کریں۔ کیونکہ وہاں بھی مسلمان ایک علیحدہ کمیونٹی کے طور پر رہتے ہیں۔ یقیناً چائنہ نے ایسا بل پاس کیا ہے لیکن مغرب اس کے خلاف اپنا ایک بیانیہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر چائنہ میں یغور مسلمانوں کے لیے جو تربیتی سینٹرز بنائے گئے ہیں ان کو مغرب ہٹلر کے کنسنٹریشن کیمپس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جہاں یہودیوں کو محصور کیا جاتا تھا۔ مغربی میڈیا یہ اصطلاح جان بوجھ کر استعمال کر رہا ہے تاکہ مسلمانوں میں چائنہ کے خلاف نفرت پیدا کی جاسکے۔ اسی طرح چائنہ کے اس قانون کو وہ ایک ڈریکونین لاء کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ہم اس حوالے سے یہی کہیں گے کہ ہماری حکومت نے چائنہ کے ساتھ مختلف معاہدات کیے ہیں۔ وہ اس حوالے سے بھی چائنہ کے ساتھ براہ راست مذاکرات کرے۔ یعنی ان معاہدات کے توسط سے ہماری حکومت، اسٹیبلشمنٹ اور دوسرے پریشر گروپ وغیرہ چائنہ سے مذاکرات کر سکتے ہیں۔ چند دن پہلے امیر جماعت اسلامی سراج الحق چین کے سفارت کار سے ملے اور ان سے کشمیر اور یغور مسلمانوں کے حوالے سے بات کی۔ تو اس طرح مذاکرات کرنے سے نہ چائنہ کمزور ہوگا اور نہ پاکستان کمزور ہوگا بلکہ اس سے مغرب کا ایجنڈا کمزور ہوگا۔

سوال: مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے تدارک کے لیے مسلمان حکمران کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: آپ نے دکھتی رگ کو چھیڑا ہے۔ عوام کا معاملہ جو ہے سو ہے حالانکہ عوام کا رویہ بھی اسلام کے حوالے ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہیے۔ لیکن عوام کے پاس ایک عذر تو ہے کہ وہ بے بس ہیں، ان کے پاس اختیارات نہیں ہیں۔ اس وقت دنیا میں اٹھاون مسلم ممالک ہیں جو مختلف حصوں میں ہی بکھرے ہوئے ہیں۔ امت مسلمہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا جب مسلمانوں کو کوئی زک

> سنکیانگ میں پچپن کے قریب اقلیتیں ہیں لیکن ان میں سے صرف مسلمانوں کو خاص طور پر ٹارگٹ کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان اپنے دین کے معاملے میں پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے۔

پہنچتی ہے تو یہی تصور کیا جاتا ہے کہ جس مسلمان ملک کو زک پہنچی ہے وہی اس پر بولے باقی خاموش رہیں۔ حالانکہ امت مسلمہ کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ بحیثیت مجموعی طاغوتی قوتیں اور اسلام دشمن قوتیں کسی ایک مسلمان ملک کے خلاف نہیں ہیں بلکہ اسلام کے خلاف ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے نظام زندگی (سرمایہ دارانہ نظام) کے مقابلے میں کوئی ایسا نظام، جیسا کہ اسلام کا عادلانہ نظام ہے، وہ لوگوں کے سامنے آئے۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام تو ایک استحصالی نظام ہے اس کے مقابلے میں جب یہ عادلانہ نظام سامنے آئے گا تو وہ سرمایہ دارانہ نظام کے لیے خطرے کی علامت ہوگا۔ لہٰذا وہ اس حوالے سے مسلمان حکمرانوں کو دباتے ہیں اور مسلمان حکمران صرف اپنی کرسی بچانے کے لیے ان کی ہر بات مانتے چلے جاتے ہیں۔ فلسطین اور کشمیر کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف ہم کیوں نہیں بول رہے؟ اس لیے کہ ہم مسلمان ملک ہیں، ہم اسلامی ریاستیں نہیں ہیں۔ اگر ہم اسلامی ریاستیں ہوتے تو یہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہوتا جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے یا جو کچھ فلسطین، سنکیانگ اور میانمار میں ہو رہا ہے۔ یقیناً اس حوالے سے ہماری آوازیں اٹھنی چاہئیں لیکن چونکہ ہر مسلم حکمران کو اپنی کرسی پیاری ہے اور کسی بھی مسلمان ملک میں اسلام بحیثیت نظام نافذ نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی کو اس کی پروا نہیں۔ مثال کے طور پر کشمیر میں ایک نعرہ لگتا ہے کہ پاکستان سے رشتہ کیا لا الٰہ الا اللہ، بہت اچھا نعرہ ہے لیکن جب پاکستان میں عملی طور پر لا الٰہ الا اللہ نہیں ہوگا تو پھر کشمیر سے ہمارا تعلق کیسے پیدا ہو گا؟ یعنی جب یہاں لا الٰہ الا اللہ والا نظام نہیں ہوگا تو پھر ظاہر ہے ہمارا کشمیر سے وہ تعلق نہیں جڑ سکے گا اور بھارت کے سامنے ہم سینہ تان کر نہیں آ سکیں گے۔ لہٰذا اصل میں ہمارے تمام مسائل کا حل اسی بات میں مضمر ہے کہ ہم نے جس بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا اس کو عملی جامہ پہنائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں سب سے بڑی غلطی پاکستان کی ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا پاکستان کو چاہیے کہ وہ یہاں اسلامی نظام قائم کرے۔ اگر یہاں اسلامی نظام قائم ہوگا تو یہ پھر ایکسپورٹ ہوگا اور ایک امت مسلمہ وجود میں آئے گی اور پھر کوئی بڑی طاغوتی قوت مسلمانوں پر مظالم نہیں کر سکے گی۔

آصف حمید: دوسری طرف امریکہ کی بھی سر توڑ کوشش ہے کہ کہیں دنیا میں خلافت کا نظام نہ آئے۔ اصل میں پوری دنیا کے مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہا ہے اس کو روکنے کے لیے صرف ایک ملک کافی نہیں ہے۔ اگر پاکستان میں اسلامی انقلاب آ بھی جاتا ہے یا پاکستان اپنا قبلہ درست کر لیتا ہے تو اس سے مغرب اتنا زیادہ خوفزدہ نہیں ہوگا۔ انہیں اصل خوف اس عالمی خلافت سے ہے جو ایک صدی قبل تک دنیا میں موجود تھی اور جس کو انہوں نے ایک سازش کے ذریعے ختم کیا تھا۔ بہر حال پاکستان کا اسلامی ریاست بننا بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جاسکتی ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ ملتان میں رہائش پذیر رفیق تنظیم کو اپنے بھائی، عمر 24 سال، تعلیم ایف اے، سرکاری ملازم کے لیے دینی مزاج کی حامل خوبصورت و خوب سیرت لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0301-7878730

☆ رفیق تنظیم (ملتان) کو اپنی بہن، عمر 22 سال، ایم اے اسلامیات (آخری سال)، کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0301-7878730

تیرگی ہے چار سو تو کیا ہوا

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

امریکہ جو پاکستان کے ساتھ گاجر، ڈنڈا (carrot, stick) کھیل کھیلتا رہا۔ ہم سے اس جنگ میں مسلسل 17 سال ڈٹ کر قربانیاں وصول کیں۔ جنگ اس کی تھی بھگتی ہم نے۔ اب یہی امریکہ طالبان کے ہاتھوں عجب مخمصے کا شکار ہے۔ یہ جنگ نہ اگلے بن پڑ رہی ہے نہ نگلے۔ مذاکرات کا چوتھا راؤنڈ جو ہونے کو تھا، طالبان نے پچھلے ہفتے منسوخ کر دیا تھا، افغان حکومت کی شمولیت رد کرتے ہوئے۔ انہوں نے الٹی میٹم دے دیا کہ ''ہمارا مطالبہ اصلاً امریکی فوجوں کا انخلا ہی ہے۔ اس سے بات گھمانے پھرانے (بہلانے، پھسلانے) کی کوشش کلیتاً مذاکرات کے دروازے ہی بند کر دے گی۔'' خلیل زاد کے افغانستان پہنچنے کے چند گھنٹوں کے اندر اندر طالبان نے یہ وارننگ جاری کر دی۔ خلیل زاد (خصوصی امریکی نمائندہ برائے افغان امن ومفاہمت) مذاکرات کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے ساتھ یہ بھی مصلحتاً، مجبوراً کہہ رہے ہیں کہ اگر طالبان لڑنا ہی چاہتے ہیں تو ہم لڑ سکتے ہیں۔ تاہم دوسری ہی سانس میں فوراً صحافیوں کے سوال پر امید ظاہر کرتے ہیں کہ طالبان سے میٹنگ جلد ہی ہو گی۔ یہ بھی کہ اگرچہ وائٹ ہاؤس نے ابھی تک فوجوں کے انخلا کا حکم نہیں دیا لیکن ان رپورٹوں کا انکار بھی نہیں کیا کہ امریکہ کچھ فورس نکالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ گویا گومگو کے عالم میں ہیں اور طالبان کو بھی گومگو میں رکھنا چاہتے ہیں!

دوسری طرف پاکستان پر درخواست کے پردے میں دباؤ جنگ سمیٹنے کی شدید خواہش کا پتا دیتا ہے۔ درخواست یہ کہ سینئر امریکی اہلکار لیزا کرٹس پاکستان سے مدد لینے آئی ہیں کہ طالبان سے بات کر کے امن مذاکرات کا تعطل دور کیا جائے۔ کھسیانی ہنسی کے ساتھ ان کی تصویر کہہ رہی ہے۔

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے!

وہی پاکستان جس پر ان کے صدر (ٹرمپ) گرجے برسے تھے۔ پھر گاجر دکھائی۔ اب یہ بھول کر کہ ''تم کس کھیت کی مولی ہو'' ہمیں کہا تھا، اب ہمی سے طالبان راضی کرنے کا فارمولا مانگ رہے ہیں! پاکستان حکومت سمجھا تو چکی کہ طالبان پر ہمارا کنٹرول بہت کم ہے لیکن امریکہ یہ باور کرنے پر تیار نہیں! اُدھر افغانستان میں صورتِ حال یہ ہے کہ افغان فوج کو دیا گیا اسلحہ طالبان کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ کارروائیوں کے دوران مالِ غنیمت کے طور پر بھی۔ افغان فوجی اسلحہ بیچ بھی دیتے ہیں۔ بے شمار پیسہ، تربیت وسائل محنت جھونک کر بھی امریکہ ایک مستحکم افغان فوج نہیں بنا سکا۔ غربت بے روزگاری کے ہاتھوں، تنخواہ، مراعات، پنشن کی خاطر بھرتی ہونے والے افغان۔ نسلی تعصب، روایتی قومیت، نسل کے تضادات اختلافات کی بنیاد پر کھڑے کیے جانے والے، طالبان کے مقابل، امریکہ کی مدد کے بغیر کھڑے نہیں رہ سکتے۔ مزید یہ کہ امریکی اسلحہ، نائٹ وژن گوگلز (2015ء میں) امریکی ہموی اور ٹینک چلاتے طالبان قندوز کی جنگ میں...... امریکی دفاعی اداروں کو ہلا کر رکھ دینے کو کافی تھے! طالبان بے تیغ اتنے ناقابلِ تسخیر رہے۔ اب اسلحہ ہاتھ آ گیا تو کہانی اور مشکل ہو گئی۔ افغان فوج کو فراہم کردہ ساز و سامان اور اسلحے کا پیچھا کرنا کہ کیا، کہاں، کتنا گیا، عملاً ممکن نہیں۔ وہ امریکی ادارے جو قدم قدم جانچتے پھونکتے ہیں۔ اب غم یہ ہے کہ گویا امریکہ خود ہی طالبان کو بالواسطہ مسلح کر رہا ہے۔ 2014ء کی ایک رپورٹ میں، افغانستان میں تعمیرِ نو کے سپیشل انسپکٹر جنرل کے انکشاف کے مطابق افغان فوج کو دیئے جانے والے 43 فیصد ہتھیار طالبان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں! آج تک یہی صورت حال ہے۔ کئی جگہ امریکہ نے ہموی تباہ کیں تاکہ طالبان انہیں استعمال نہ کر سکیں! پاکستان پر سعودی اور اماراتی امداد کے پیکیج بالواسطہ امریکی دباؤ ہی کی صورت ہے (دونوں ممالک امریکہ کے زیرِ اثر جس حد تک ہیں سب ظاہر ہے!) تاہم طالبان پر دباؤ یا اثر انداز ہونا خالہ جی کا گھر نہیں!

امریکہ نے عالمِ اسلام میں جنگیں چھیڑ کر اپنی معیشت کا سوا ستیاناس پھروانے کے ساتھ اب وہی جنگیں مسلمانوں میں بانٹ دیں۔ یمن دیکھ لیجیے۔ امریکہ کی جگہ سعودی عرب کی معیشت اور خون دونوں وہاں بہہ رہے ہیں۔ سعودی عرب، امارات بمقابلہ قطر لا کھڑے کیے۔ ترکی کو ہمہ نوع کھینچا تانی، دھینگا مشتی میں مبتلا کرنے کے اسباب فراہم کیے۔ شام کی اینٹ سے اینٹ بجا کر سیاست کا ایک اور بازار اب وہاں گرم ہے۔ پسِ پردہ مقاصد مشرقِ وسطیٰ کا نیا نقشہ، گریٹر اسرائیل، دجالی ایجنڈے کے تحت ہر قابلِ ذکر مسلمان ملک کی بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اسلام کا چہرہ بدلنے، مسخ کرنے، مسلمان عورت کو باغی، طاغی بنانے میں ہر ممکن مدد اور سہولت کاری کتنی منظم ہے، آئے دن کے واقعات گواہ ہیں۔

سعودی عرب کی 18 سالہ رہف القنون نے علی الاعلان اسلام ترک کیا، والدین اور دین کا مذاق بنا کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ ''انسانی حقوق'' پوری دنیا میں اسے اپنی آغوش میں لینے کو بے قرار ہو اٹھے۔ اقوامِ متحدہ نے درخواست فرمائی۔ آسٹریلیا، کینیڈا سبھی ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے۔ تآنکہ کینیڈا نے وی آئی پی بنا کر اسے اپنے ہاں پناہ دی۔ ایئر پورٹ پر کینیڈین وزیر خارجہ نے اس کا استقبال کیا۔ ایک ہی دن میں اس پر تمام تعیشات نچھاور کیے ہیں۔ یہ ساری ملالائیں، مغرب کی آنکھ کے تارے ستارے مسلمان لڑکیوں کو گھر چھوڑ بھاگنے کی ترغیب وتحریص کے اشتہار بن رہی ہیں۔ یہ حدیث سمجھنی اب کیا مشکل ہے: ''دجال کی طرف نکلنے والی سب سے زیادہ عورتیں ہوں گی...... حتیٰ کہ آدمی اپنی بیوی، اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی وغیرہ کی طرف جائے گا اور انہیں رسیوں سے باندھ دے گا، اس ڈر سے کہ کہیں وہ دجال سے نہ ملیں۔'' (مسند احمد) اس 18 سالہ لڑکی نے آسٹریلین ٹی وی کو انٹرویو میں کہا کہ میرے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور سعودی لڑکیوں کی حوصلہ افزائی ہو گی اور وہ بہادری اور آزادی کی راہ اختیار کریں گی۔ (سعودی خاندان نے اپنی بیٹی سے اظہار لاتعلقی کر دیا۔)

سو یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے تحت ایک طرف محمد بن سلمان کی سعودی تہذیب وثقافت پر یلغار ہے۔ دوسری جانب بے راہ روی کے اٹھتے سیلاب میں تنکوں کی طرح بہتی نسلِ نو پر مغرب ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ خود پاکستان کا پورا نظامِ تعلیم فکری کجی، تہذیبی انتشار کے بیج بو رہا ہے۔ پرویز مشرف نے مخلوط تعلیم ہر سطح پر پھیلا کر نسلوں کی بربادی اور معیارِ تعلیم کی تباہی کا سامان کر دیا۔

پنڈی بورڈ کے نتائج انٹر میں 67 فیصد طالب علم فیل ہیں۔ اگرچہ نصابِ تعلیم کھوکھلا، بے جہت اور آسان ہے۔ مگر سوشل میڈیا، موبائیل کا فتنہ، عشق عاشقی کے امتحان سے فرصت ہو تو کتاب کھلے! نجی تعلیمی اداروں میں اسلام کی بے دخلی دیدنی ہے۔ یہ خبر بھی تسلسل سے آ رہی ہے کہ 5 فیصد اقلیتیں اسلامیات پڑھانے کے کوٹے میں شامل ہیں۔ پھر فزکس کیمسٹری پڑھانے کا کوٹہ درزیوں، نانبائیوں کو بھی دے دیں تو ہم مانیں! قادیانی عیسائی ہندو سکھ اسلامیات پڑھا سکتے ہیں تو ان کا بھی حق ہے۔ آخر 90 فیصد اساتذہ پوش تعلیمی اداروں میں غیر مہذب یعنی مغربی لباس میں تشریف لاتی ہیں۔ بچیاں بھی انہی کا اتباع کر رہی ہیں۔

اخلاق و کردار کی تباہی میں ایک آنچ کی جو کسر باقی تھی وہ ڈرامے پوری کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ پیمرا بھی بول اٹھا کہ ٹی وی چینل معاشرتی، خاندانی اقدار و روایات کے برعکس متنازع اخلاقی معاملات پر ڈرامے پیش کر رہے ہیں۔ (مغربی ایجنڈوں کے تحت، یو ایس ایڈ کی معاونت موجود ہے) ہم جنس پرستی تک موضوع بن رہا ہے۔ نامناسب لباس، حرکات و سکنات بے راہ روی کے رجحانات ابھارے جا رہے ہیں۔ ساس بہو لڑائیاں، رشتوں کا احترام سلب کرنے کے اہتمام ہیں۔ عورت کے بگاڑ پر سارے اسباب یک جا ہیں۔ منشیات، نوجوان نسل میں ڈیپریشن کی موذی بیماری اسی بگڑی بکھری نفسیات کا نتیجہ ہے جس کے لیے ساری فضا سازگار کر دی گئی ہے۔ باکردار، صاحبِ ایمان ''انتہا پسند، دہشت گرد'' بہ صد اہتمام بنائے گئے، پراپیگنڈے کی سان چڑھا کر۔ پاکیزہ، مومنانہ اخلاق اور حلیے نکو نبا دیئے گئے۔ اب قوم بھگت لے۔ کالجوں کی بجائے نفسیاتی مراکز، نشہ چھڑانے کے مراکز، حرام بچوں کے جھولے، گھروں سے بھاگتی لڑکیوں کے دارالامان یا کینیڈا آسٹریلیا کی شہریت کے فسانے! ریاستِ مدینہ کی یہ کونسی جہت ہے؟ کچھ تو خوفِ خدا چاہیے۔ **فما ظنکم برب العالمین**...... بہ زبانِ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام...... آخر تمہارا رب العالمین بارے گمان کیا ہے؟...... تم نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ **مالکم لا ترجون للہ و قاراً** ٥ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی جاہل بے راہ رو قوم سے پوچھا تھا: تمہیں کیا ہو گیا...... تم اللہ کے لیے کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟ سزا تو ہم پر لاگو ہے۔ اندر سے کھوکھلے ہو چکے۔ معیشت سسکیاں بھر رہی ہے۔ سیاست نرا تماشا ہے۔ تہذیب و معاشرت کا حال بیان ہوا۔ قانون کے نام پر ہنگامہ تو بہت ہے، حقیقت کچھ بھی نہیں۔ مشرف کو دیکھیئے۔ کیا جادو ہے کہ منجمد اکاؤنٹس سے رقم نکالی جاتی رہی! ملک ان کا۔ عدلیہ ان کی۔ بینک بھی انہی کے! قانون آئین کے پر جلنے لگتے ہیں، حساب کون مانگے!

تیرگی ہے چار سُو تو کیا ہوا
اپنی آنکھوں میں سحر رکھتے ہیں ہم

غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں

تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شمارہ فروری 2019ء
جمادی الاُخریٰ ۱۴۴۰ھ

مشمولات

☆ ہیں آج کیوں ذلیل......؟ — ایوب بیگ مرزا
☆ توبہ کی تاثیر — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
☆ وضاحتِ ایمان اور دعوتِ ایمان — شجاع الدین شیخ
☆ فہمِ قرآن — ایک تشنہ پہلو — ڈاکٹر محمد سرشار خان
☆ امریکی افواج کا انخلاء اور گریٹر اسرائیل — محمد ندیم اعوان
☆ اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کے فقہی ضابطے (۵) — ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ
☆ مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور اباجی (۳) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ''بیان القرآن'' باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے!

☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 40 روپے ☆ سالانہ زرِ تعاون (اندرون ملک) 400 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ''شعبہ تحقیق اسلامی'' (IRTS)
کے زیرِ انتظام ابلاغِ عامہ و افادہ عام کی ویب سائٹس

www.tanzeemdigitallibrary.com بانی تنظیم و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس، خطابات و تصنیفات کا جملہ تحریری مواد یونی کوڈ کے سرچ ایبل فارمیٹ (Unicode searchable format) میں دستیاب ہے۔

www.giveupriba.com انسدادِ سود کی کوششوں کے ضمن میں جملہ معلومات، تاریخی پس منظر، عدالتی فیصلے، قرآن و سنت کے حوالہ جات، معروف تفاسیر کے اقتباسات اور شرق و غرب کے نامور مفکرین کے اقوال و تحریرات اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

www.hafizahmadyar.com پروفیسر حافظ احمد یارؒ (سابق مدرس پنجاب یونیورسٹی و قرآن اکیڈمی لاہور) کا علمی خزانہ، قرآن مجید کی صرفی و نحوی ترکیب، بلاغتِ قرآن و آڈیو تفسیر قرآن اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

میری پہچان اسلامی پاکستان

ڈاکٹر ضمیر اختر خان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا استحکام ہر پاکستانی کی دلی آرزو ہے۔ کیوں نہ ہو؟ یہ ہم سب کا پاکستان ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہماری دنیا کے ساتھ آخرت میں کامیابی کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسی لیے ہمارے قائدین و بزرگوں نے اس کے حصول کے لیے جو جدوجہد کی اس کا عنوان ''لا الٰہ الا اللہ'' تھا۔ آج بھی کسی محفل میں گفتگو کے دوران جب بھی یہ جملہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟'' زبان پر آتا ہے تو سننے والے، چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، بے ساختہ بول اٹھتے ہیں ''لا الٰہ الا اللہ''۔ اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو بانگ دہل یہ کہنا چاہیے ''میری پہچان اسلامی پاکستان''۔

ملکوں کو بالعموم مستحکم کرنے والے عوامل کا اگر جائزہ لیا جائے تو وہ یہ ہیں: تاریخ، جغرافیہ اور انسانی جذبہ۔ پاکستان کی پشت پر کوئی تاریخی عامل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نام اور ان حدود کے ساتھ تاریخ انسانی میں کبھی کوئی ملک موجود نہیں رہا، بلکہ پاکستان کا لفظ بھی آج سے ستر سال قبل تک دنیا کی کسی لغت میں موجود نہیں تھا۔ جہاں تک جغرافیہ کا تعلق ہے تو ہمیں کسی درجے میں طبعی اور فطری سرحدوں کا تحفظ حاصل ہے۔ وہ بھی صرف شمال، جنوب اور مغرب میں ہے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ اور کوہ قراقرم ہے۔ جنوب میں سمندر اور مغرب میں کوہ سلیمان کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ لیکن مشرق میں طویل ترین سرحد ہے جدھر سے پاکستان کو سب سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے، ادھر کسی فطری و طبعی سرحد کا نشان تک موجود نہیں ہے۔ پنجاب کا میدان تو اس طرح کاٹا گیا ہے جیسے کیک کاٹا جاتا ہے۔ اگر خار دار تاروں کی کوئی باڑ موجود نہ ہو تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کہاں ایک ملک ختم ہو گیا اور دوسرا شروع ہو گیا۔ بہاول پور اور سندھ کے صحراؤں اور ریگزاروں کے ٹیلے خود ہی ہواؤں سے ادھر ادھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ کیا نشان بنیں گے اور کیا حفاظت کریں گے۔ گویا جغرافیہ بھی ہمارا پشت پناہ نہیں ہے۔

انسانی جذبہ قوموں کے استحکام میں اہم عامل رہا ہے۔ پھر انسانی جذبے کی دو ہی قسمیں نظر آتی ہیں۔ ایک قوم پرستانہ جذبہ اور دوسرا مذہبی جذبہ۔ اگرچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مذہبی جذبہ تمام جذبات میں قوی ترین جذبہ ہے۔ تاہم قوم پرستانہ جذبے نے بھی قوموں کو طاقتور اور مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس میں نسلی قوم پرستی کی دور حاضر میں نمایاں مثالیں جرمن نیشنل ازم اور یہودی نسل پرستی کی صورت میں موجود ہیں۔ نسلی قوم پرستی کے بعد موجودہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور قومی جذبہ لسانی قوم پرستی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس کی بھی دو نمایاں مثالیں ہیں۔ ایک عرب قومیت (Arab Nationalism) اور دوسری بنگلہ قومیت (Bangla Nationalism)۔ عالم عرب نے یورپی استعمار کے خلاف جو جدوجہد کی تھی وہ اسی لسانیت پر مبنی تھی۔ اسی طرح پاکستان کے دولخت ہونے میں جو ہتھیار سب سے زیادہ کارگر اور سب سے بڑھ کر کاری ثابت ہوا وہ بنگلہ نیشنل ازم تھا جس کی اساس بنگلہ زبان پر قائم تھی۔ ہمارے پاس موجودہ پاکستان میں نہ ایک نسل کے لوگ رہتے ہیں اور نہ ہی ہم کوئی ایک زبان بولنے والی قوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کل پاکستان اساس پر کسی لسانی قومیت سے پیدا شدہ جذبۂ عمل تو درکنار، تاحال 'قومی زبان' کے مسئلے کا حل بھی موجود نہیں ہے۔

ملکوں کے استحکام کی ایک اور اساس دور جدید کی پیداوار 'وطنی قومیت' (Territorial Nationalism) ہے۔ اس وقت عالمی سطح پر کم از کم نظری اور دستوری و قانونی اعتبار سے سب سے زیادہ چرچا اور سب سے بڑھ کر رواج اسی کو حاصل ہے۔ ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ بھی اسی تصور کے تحت لگایا گیا تھا۔ لیکن ہمارے پاس تو وطنی قومیت کا عنصر بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ پاکستان دو قومی نظریے کی اساس پر وجود میں آیا تھا جو وطنی قومیت کے نظریے کی کامل نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ملک قائم تو ہو کسی نظریے کی کامل نفی کی اساس پر اور پھر اس کے استحکام کے لیے وہی نظریہ جڑ بنیاد کا کام دے سکے۔ یاد کیجیے! انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان اختلاف و نزاع کی اصل بنیاد کیا تھی؟ کانگرس کے نزدیک مذہب و ملت کا معاملہ علیحدہ تھا اور قومیت کا علیحدہ۔ چنانچہ ہندوستان میں مذاہب بہت سے تھے لیکن ان سب کے ماننے والوں پر مشتمل قوم ایک ہی تھی، یعنی انڈین نیشن یا ہندی قوم، جبکہ مسلم لیگ کا موقف یہ تھا کہ یہ صورت دوسرے جملہ مذاہب کے پیروکاروں کے نزدیک قابل قبول ہو تو ہو، کم از کم مسلمانان ہند کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں، اس لیے کہ ان کی قومیت کی اساس مذہب پر ہے، لہٰذا وہ ایک علیحدہ قوم ہیں اور اپنے جداگانہ قومی تشخص کے بقاء کی ضمانت کے طور پر علیحدہ ملک کے حق دار ہیں۔ یہی وہ مسلم قومیت کا تصور تھا جس پر علامہ اقبال اور قائداعظم دونوں متفق تھے۔ اور دونوں نے اس تصور کے مطابق علیحدہ ملک کے لیے تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ پوری مسلم قوم نے ان سے اتفاق کر کے ان پر اعتماد بھی کیا اور یوں اسلام کے نام پر دنیا کی سب سے بڑی مملکت وجود میں آ گئی۔

استحکام پاکستان کے لیے دفاعی لحاظ سے مضبوط ہونا بھی ضروری ہے۔ معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا بھی لازم ہے مگر سب سے زیادہ جس چیز کی طرف توجہ کی ضرورت ہے وہ ہمارا مذہبی و دینی تشخص ہے۔ گویا پاکستان کے دوام و استحکام کی اصل اساس صرف اور صرف اسلامی جذبہ ہے۔ یہی جذبہ پاکستان کے استحکام کی حقیقی، واقعی، مضبوط اور پائیدار بنیاد بن سکتا ہے۔ اسی جذبے کو برقرار رکھنے کے لیے اشد ضروری ہے کہ ہم فوری طور پر نظام اسلامی کی طرف پیش رفت شروع کریں۔ ریاست مدینہ کے نعرے کو حقیقت بنانے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائیں۔ اندرون ملک جو رکاوٹ بنے اس کا قوم خود علاج کرے گی۔ البتہ بیرونی مخالفوں سے نبٹنے کی حکمت عملی وضع کی جائے تو اللہ ہماری مدد فرمائے گا۔ اس کا وعدہ ہے کہ اگر ہم اس کے دین کی طرف پیش قدمی کریں گے تو وہ لازماً ہماری مدد کرے گا۔ اللہ یقین عطا فرمائے۔

خاندانی منصوبہ بندی

مولانا محمد اسلم رحمہ اللہ

آج کل ہمارے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک بڑے زوروشور سے چل رہی ہے، اس کے لیے ایک مستقل محکمہ قائم ہے۔ جس کا ہر سال کا بجٹ کروڑوں روپے کا ہے، یہ محکمہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار بازی پر لاکھوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔

عوام کو اعداد وشمار کے ذریعہ ڈرایا جارہا ہے کہ اگر آبادی کی رفتار یہی رہی تو فلاں سن میں پاکستان کی آبادی اتنے کروڑ ہو جائے گی اور اتنی بڑی آبادی کی معاشی ضروریات پوری کرنا ناممکن ہو جائے گا لہٰذا آبادی کو کنٹرول کیا جائے، لیکن یہ تحریک اور یہ سوچ اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت میں مداخلت کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾

’’زمین پر چلنے والی ساری مخلوق کی روزی میرے ذمہ ہے۔‘‘

تمہیں انسانوں کی روزی کی فکر ہے جب کہ اللہ کہتا ہے کہ میں ہر جاندار کی مستقل قیام گاہ بھی جانتا ہوں اور عارضی قیام گاہ بھی جانتا ہوں اور انہیں ان کے ٹھکانے پر روزی پہنچاتا ہوں، خواہ جنگل کے درندے ہوں یا فضاؤں میں اُڑنے والے پرندے ہوں، خواہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں ہوں یا سمندروں اور دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں اور دوسرے جانور ہوں، میں ان سب کو ان کی روزی پہنچا رہا ہوں۔

خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کوئی نئی فکر اور نئی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت پرانی تحریک ہے، زمانہ جاہلیت کے جعلی دانشوروں کو بھی بڑی فکر ہوتی تھی کہ اگر زیادہ بچے ہو گئے تو کھائیں گے کہاں سے؟ چنانچہ وہ فقر اور افلاس کے ڈر سے بچوں کو قتل کر دیتے تھے، رب کریم نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ﴾

’’اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو، ان کو بھی رزق ہم دیتے ہیں اور تم کو بھی رزق ہم دیتے ہیں۔‘‘

اے پاگل انسان! تیری سوچ یہ ہے کہ میری ملازمت، میری دکان اور میرا کاروبار مجھے روزی دے رہا ہے۔ حالانکہ تیری یہ سوچ غلط ہے۔ یہ دوکان، یہ ملازمت، یہ تجارت، یہ کاروبار اور یہ کھیتی باڑی روزی کمانے کا وسیلہ تو ہیں لیکن روزی دینے والا صرف اللہ ہے۔ تمہیں بھی روزی دے رہا ہے اور تمہارے بچوں کو بھی روزی اللہ دے رہا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی ان بچوں کی برکت سے روزی مل رہی ہو۔ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

’’تمہیں تمہارے کمزوروں کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔‘‘

میرے بزرگو اور دوستو! منصوبہ بندی کا اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس نظام کے تحت وہ انسانوں اور حیوانوں کی آبادی کنٹرول کرتا ہے۔ جس چیز کی ضرورت کم ہوتی ہے اسے وہ اپنے نظام کے تحت ہی کم کر دیتا ہے اور جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اسے وہ زیادہ کر دیتا ہے۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب سفر کے لیے ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں اس وقت تمام انسان گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے۔ جنگلوں میں بھی گھوڑے ہی استعمال ہوتے تھے۔ تقریباً ہر گھر میں گھوڑا ہوتا تھا۔ لیکن پھر یہ ہوا کہ ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں عام ہو گئیں اور ان کے عام گھوڑوں وغیرہ کی اہمیت کم ہو گئی، اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ گلی کوچوں میں گھوڑے ہی گھوڑے دکھائی دیتے اور ان کے ریوڑ ہی ریوڑ ہوتے کیونکہ گھوڑوں نے تو منصوبہ بندی کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا نہ ہی کم بچے کرنے کی کوئی تحریک چلائی۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کی ضروریات نہ رہی تو قدرت کے نظر نہ آنے والے نظام کے تحت ان کی تعداد خود ہی کم ہوتی چلی ہو گئی۔

ایک اور مثال لیجیے اسٹار مچھلی بیس (20) کروڑ انڈے دیتی ہے اگر اس نسل کے صرف ایک جوڑے کو اپنی نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو صرف اسی جوڑے کی تیسری چوتھی نسل تک دنیا کے تمام سمندر اسی سے بھر جائیں اور سمندروں میں پانی کے ایک قطرے کی گنجائش باقی نہ رہے مگر وہ کون ہے جو ان نسلوں کو اپنی مقررہ حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

کیا وہ آپ کا برتھ کنٹرول کا محکمہ ہے؟

کیا وہ آپ کا کنڈوم کلچر ہے؟

کیا وہ آپ کی مانع حمل دواؤں کا اثر ہے؟

نہیں ان میں سے کوئی چیز نہیں!

بلکہ یہ میرے رب کا اپنا نظام ہے جو ساری مخلوقات کو کنٹرول کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس دن اس دنیا میں مزید انسانوں کی گنجائش باقی نہ رہی یا انسانوں کی ضرورت نہ رہی تو بچے پیدا ہونا بند ہو جائیں گے۔

یاد رکھیے! منصوبہ بندی کی تحریک یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریک ہے۔ یورپ کی عورت ماں نہیں بننا چاہتی، وہ آزاد رہنا چاہتی ہے۔

بچوں کے جھنجھٹ میں پڑ کر وہ اپنی آزادی ختم نہیں کرنا چاہتی۔ وہاں آبادی دن بدن کم ہوتی جارہی ہے اور وہ مسلمانوں کی آبادی بڑھنے سے پریشان ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر یہ سلسلہ چلتا رہا تو مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی اور یہودی اور عیسائی اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے۔

ان کا اقلیت میں بدل جانے کا خوف ہی ہے جس کی وجہ سے وہ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے ہر طرح کی مالی امداد دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

دوسری وجہ اس تحریک کی سرپرستی کی یہ ہے کہ وہ مسلمان قوم کو فحاشی کی راہ پر ڈال کر اسے مذہبی ذمہ داریوں سے غافل کر دینا چاہتے ہیں۔

وہ چاہتے ہیں مسلمان اسلامی اخلاق سے بیگانہ ہو جائے، اس کے اندر شرم وحیا باقی نہ رہے، اس کا خاندانی نظام تباہ ہو جائے، وہ ازدواجی زندگی کو بے کار سمجھنے لگے۔

خدا نہ کرے اگر ان بدبختوں کی چلائی ہوئی یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو پاکستان میں بھی وہی کچھ ہو گا جو امریکہ، برطانیہ، فرانس اور ناروے وغیرہ میں ہو رہا ہے۔

نہ خاندانی نظام ہو گا، نہ ازدواجی زندگی ہو گی، نہ بچوں کے باپ کا پتہ ہو گا نہ شرم ہو گی، نہ حیا ہو گی۔

☆☆☆

عصر حاضر
حدیث نبوی کے آئینہ میں

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

خدا کی زمین تنگ ہو جائے گی

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں میری امت پر ان کے حاکموں کی جانب سے ایسے مصائب ٹوٹ پڑیں گے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی زمین تنگ ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد سے ایک شخص (حضرت مہدی علیہ الرضوان) کو کھڑا کریں گے، جو زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ پہلے ظلم وستم سے بھری ہوئی ہو گی، ان سے زمین والے بھی راضی ہوں گے اور آسمان والے بھی۔ ان کے زمانے میں زمین اپنی تمام پیداوار اگل دے گی، اور آسمان سے خوب بارش ہوگی، وہ ان میں سات یا آٹھ نو سال رہیں گے۔ (صحیح مسلم)

فتنہ زدہ قلوب

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے خود سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: فتنے دلوں میں اس طرح یکے بعد دیگرے در آئیں گے جس طرح چٹائی میں یکے بعد دیگرے ایک ایک تنکا در آتا ہے۔ چنانچہ جس دل نے ان فتنوں کو قبول کر لیا، اور اس میں پوری طرح رچ بس گئے اس پر (ہر فتنے کے عوض) ایک سیاہ نقطہ لگتا جائے گا۔ اور جس قلب نے ان کو قبول نہ کیا، اس پر (ہر فتنہ کو رد کر دینے کے عوض) ایک سفید نقطہ لگتا جائے گا، یہاں تک کہ دلوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی: ایک سنگِ مرمر جیسا سفید کہ اسے رہتی دنیا تک کوئی فتنہ نقصان نہیں دے گا، اور دوسرا خاکستری رنگ کا سیاہ، الٹے کوزے کی طرح (کہ خیر کی کوئی بات اس میں نہیں ٹکے گی) یہ بجز ان خواہشات کے جو ان میں رچ بس گئی ہیں نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھے گا نہ کسی برائی کو برائی (اس کے نزدیک نیکی اور بدی کا معیار بس اپنی خواہش ہوگی)۔

(صحیح مسلم)

دلوں سے امانت نکل جائے گی

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے دو باتیں فرمائیں: ایک تو میں نے آنکھوں سے دیکھ لی، اور دوسری کا منتظر ہوں۔ پہلی بات آپ ﷺ نے یہ بتلائی کہ: امانت (نورِ ایمان) لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اترا، بعد ازاں انہوں نے قرآن سیکھا، پھر سنت کا علم حاصل کیا (اس کا مشاہدہ تو میں نے خود کر لیا ہے)۔

دوسری بات آپ ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کے بارے میں فرمائی، فرمایا کہ: آدمی ایک دفعہ سوئے گا تو امانت کا کچھ حصہ اس کے دل سے نکال لیا جائے گا، چنانچہ تل کے نشان کی طرح اس کا نشان رہ جائے گا۔ پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت کا بقیہ حصہ بھی قبض کر لیا جائے گا۔ اس کا نشان آبلہ کی طرح رہ جائے گا، جیسے تم اپنے پاؤں پر آگ کا انگارہ کھینچو تو آبلہ ابھرا ہوا نظر آئے گا، مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔

اور دن بھر لوگ خرید وفروخت کریں گے، لیکن ایک آدمی بھی مشکل سے ایسا نہیں مل سکے گا جو امانت ادا کرتا ہو، چنانچہ (دیانت کا اس قدر قحط ہوگا کہ) یہ کہا جائے گا کہ: فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانت دار ہے! اور (بداخلاقی کا یہ حال ہوگا کہ) ایک آدمی کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ: واہ واہ! کتنا عقلمند آدمی ہے، کتنا زندہ دل ہے، کتنا بہادر ہے، (وہ ایسا ہے، ویسا ہے) حالانکہ اس بندۂ خدا کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

انسانی لباس میں شیطان

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ: لوگ آنحضرت ﷺ سے خیر کی باتیں پوچھا کرتے تھے، اور میں آپ (ﷺ) سے شر کے بارے میں تحقیق کیا کرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے لاعلمی کی وجہ سے پہنچ جائے۔ فرماتے ہیں: میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہم جاہلیت اور شر میں پھنسے ہوئے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے (آپ ﷺ کی بدولت) ہمارے پاس یہ خیر بھیج دی (یعنی اسلام) تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا: اور اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگی؟ فرمایا: ہاں! مگر اس میں کدورت ہوگی۔ میں نے کہا: کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا: کچھ لوگ ہوں گے جو میری سنت کے بجائے دوسری چیزوں کی تلقین کریں گے، ان میں نیک وبد کی آمیزش ہو گی۔ میں نے کہا: اچھا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! جہنم کے دروازوں پر بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت پر لبیک کہے گا اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! (ﷺ) ذرا ان کا حال تو بیان فرمایئے! فرمایا: وہ ہماری ہی قوم سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے (یعنی اسلام کے مدعی ہوں گے اور اسلامی اصطلاحات کو مطلب براری کے لیے استعمال کریں گے)۔

میں نے عرض کیا: اگر یہ برا وقت مجھ پر آ جائے تو آپ ﷺ مجھے کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے چمٹے رہنا! میں نے کہا: اگر اس وقت نہ مسلمانوں کی جماعت ہو، نہ امام تو پھر؟ فرمایا: پھر ان تمام فرقوں سے الگ رہو، خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ میں جگہ بنانا پڑے، حتیٰ کہ اسی حالت میں تمہاری موت آ جائے۔ (صحیح بخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے بعد کچھ مقتداء اور حکام ہوں گے جو نہ میری سیرت پر چلیں گے نہ میری سیرت کو اپنائیں گے، ان میں سے کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جن کے قلوب انسانی جسم میں شیاطین کے قلوب ہوں گے۔ حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) اگر یہ برا وقت مجھ پر آ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا: (جائز کاموں میں) امیر کی سمع واطاعت بجالانا، خواہ وہ تیری کمر پر کوڑے مارے اور تیرا مال لوٹ لے، تب بھی سمع واطاعت بجالانا۔

بدعملی کے نتائج

حضرت زیاد بن لبید ؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے کسی ہولناک چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ: یہ اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) اور علم کیسے جاتا رہے گا؟ جبکہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی، اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ فرمایا: زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے (یعنی تو مر جائے) میں تو تجھے مدینہ کے فقیہ تر لوگوں میں سے سمجھتا تھا، (مگر تعجب ہے کہ تم تو اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ پائے، آخر تمہیں علم کے اٹھ جانے پر تعجب کیوں ہونے

Can Judges be totally Objective in judgments?

Views from Abroad

Written by: Dr. Javed Jamil (India)

A The appointment of 5-judge bench in the Supreme Court on Ayodhya case has rightly been criticized by one of the parties for its non-representation of any Muslim in the panel. The counter argument given in response is that Judges are just judges and cannot be doubted regarding their impartiality. Does that argument hold true? Already, one of the judges had to take back his name following the argument that he had once appeared in the Court on behalf of a Chief Minister who campaigned actively in favour of Mandir. Can the judges be expected to be wholly objective in their judgment? If this was the case, why in the Triple Talaq judgment, the Muslim judge was against the majority verdict? When it comes to purely criminal and civil matters not involving any ideological issues, judges can of course be expected to deal the case objectively and pronounce judgments according to their reading of the case and the law. But when the ideological issues are involved, it is but natural that their ideological positions will differ. This is not just true for the cases where religious issues are involved or where two communities are involved. This is even truer where issues related to morality and ethics are involved. On issues like alcohol, smoking, liberty of sex, homosexuality, abortions, etc, the decisions of the judges are bound to be influenced by their personal views. On social and economic issues too, the judgments can differ if the judges have leftist or rightist proclivities. In the US, the judges in the higher courts are in fact appointed on the basis of their known views regarding moral issues, even their proximity to Republican or Democratic viewpoint. Fortunately, till now, no such considerations are taken in the appointment of judges. But on many occasions, including the recent protest by some Supreme Court judges, the governmental intervention has been the subject of intense debate.

Moreover, judges do not live in isolation. They move in society and are in regular touch with the media. Their views are bound to be influenced by the trends of the time and the projections in the media. In a world dominated by the forces of economics and politics, their psychology is conditioned into believing in a specific way. Otherwise, what can explain the sudden change of Supreme Court opinion on Homosexuality and Adultery? Previous judgments reflected the impact of Indian religious and cultural values. The latest judgments reflected the perceptional change brought by the forces that seek to commercialise human instincts irrespective of their devastating effect on life,

health, family and social peace.

The recent passing of the Bill on the Reservation Quota issue has highlighted the fact that when the interests of the dominant forces are involved, even intense rivalry between different political parties, and even on the verge of the national elections, freezes to zero. As far as I can see, it is highly unlikely that the Act will be undone in the Court, as the judges mostly belong to the same classes that are the beneficiaries of the act. Otherwise, how can one understand the economic criterion given in the act? With all those below 8 lakh per annum income eligible for the reservation, where will it leave any chances for the truly poor? While there is no ban on Muslims being the part of the recipients, their chances to get any real benefit are considerably less because the comparatively poorer Muslims will find it hard to compete with the comparatively richer non-Muslims.

The future will see even greater tilt in the Judgments towards the libertarian trends. Objectivity is only an ideal, which will continue to be comprised through subjectivity in an ever increasing amount.

<u>Source</u>: Posted in the Yahoo Group, <u>Voice of Aligs</u>, containing commentary on the state of affairs in Indian institutions

(Dr Javed Jamil is an India based thinker and writer and Head of a Chair at Yenepoya University, Mangalore.)

<u>Note</u>: *The editorial board of Nida-e-Khilafat may not agree with all information provided, analysis made and conclusions drawn by the author of the tract.*

لگا؟) کیا یہ یہود ونصاریٰ تورات اور انجیل نہیں پڑھتے؟ لیکن ان کی کسی بات پر بھی تو عمل نہیں کرتے (اسی بدعملی کے نتیجے میں یہ امت بھی وحی کی برکات کھو بیٹھے گی، پس بے معنی قیل وقال رہ جائے گی)۔ (سنن ابن ماجہ)

<u>اختلاف کی نحوست</u>

امام بیہقی ؒ نے بروایت ابن اسحاق نقل کیا ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے (سقیفہ بنی ساعدہ کے دن) یہ بھی فرمایا تھا کہ: یہ بات تو کسی طرح درست نہیں کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں! کیونکہ جب کبھی ایسا ہوگا ان کے احکام و معاملات میں اختلاف رونما ہو جائے گا، ان کی جماعت تفرقہ کا شکار ہو جائے گی، اور ان کے درمیان جھگڑے پیدا ہو جائیں گے، اس وقت سنت ترک کر دی جائے گی، بدعت ظاہر ہوگی اور عظیم فتنہ برپا ہوگا، اور اس حالت میں کسی کے لیے بھی خیر وصلاح نہیں ہوگی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون — دعائے مغفرت

☆ حلقہ لاہور غربی قرآن اکیڈمی منفرد اسرہ نمبر 1 کے رفیق تنظیم جناب ثناء اللہ جنجوعہ وفات پا گئے۔

☆ حلقہ جنوبی پنجاب، ممتاز آباد کے رفیق آفتاب یاسین کے چچا وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0300-9636193

☆ حلقہ جنوبی پنجاب، وہاڑی کے رفیق غلام رسول کے تایازاد بھائی وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0303-5230705

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔
قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ ”قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 فیصل آباد“ میں
10 تا 16 فروری 2019ء (بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

مبتدی و ملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

نوٹ: ملتزم تربیتی کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔
رفقاء اِن موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں:-

☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ اسلام کا انقلابی منشور

اور

امراء و نقباء تربیتی و مشاورتی اجتماع

15 تا 17 فروری 2019ء (بروز جمعۃ المبارک نماز عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)
کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء و نقباء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0321-7223010، 0321-6096068

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 79-35473375(042)

Vol: 28 Regd. No. C.P.L NO.114 No.05

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore